ایک ترک کا روزنامچہ

جسے

خالد خلیل ایم۔ اے پروفیسر ترکی اکسفورڈ کالج انگلستان
اور ممبر ینگ ٹرکش پارٹی نے انگریزی میں لکھا

اور

کارپردازان کارخانہ وطن نے اس کا اُردو میں ترجمہ
کیا۔ اور جا بجا خلیل کے غلط یا مغالطہ آمیز
بیانات کی تردید و تصحیح حواشی
میں کردی

حمیدیہ پریس لاہور میں چھپا

بار اول   رجسٹری شدہ   قیمت

۵۹۰۸۲
۹۲۳۰۵ ۲۵۸۱
۱۱ خ
ALIGARH.

عرض حال

URDU STACKS

خالد خلیل چونکہ نوجوان ترکی جماعت کا ایک فرد ہے۔ اور یہ وہ جماعت ہے۔ جو آئین حکومت کے قیام کی خواہش و آرزو نے یہاں تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ اپنے ملک کی اندرونی نظم و نسق تک میں یورپ کی مداخلت کی خواہاں ہو رہی ہے۔ اور بنابریں ہر مخلص محب وطن اور تاج محبان و خادمان اسلام حضرت المسلمین سلطان عبدالحمید خاں ثانی الغازی اُسے کسی طرح محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس عثمانی ترک نے تمام حقوق وطنیت و قومیت کو بالائے طاق رکھ کر جہاں کہیں اُسے موقعہ ملا ہے۔ ذات اقدس جلالت پناہی پر اپنے ہم خیال دیگر نمک حرامان دولت و سلطنت کی طرح یہودی النسل عیسائی پروفیسر ومبری کی تقلید میں سخت سخت حملہ کرنے سے بھی دریغ کیا۔ ان کی لغویت اگرچہ بادی النظر ہی میں ہویدا ہو جاتی ہے۔ اور اڈیٹر وطن کی متعدد تالیفات اور وطن کے کالموں میں ایسے ہفوات کا ایک سے زیادہ مرتبہ بدلائل قوی بطلان ہو چکا ہے۔ تاہم ترجمہ میں بھی جابجا نادان معترضین کی غلط بیانیوں کی تردید کر دی گئی ہے۔ بعض ناظرین کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تحریر کا ترجمہ شائع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کا جواب اُن کو خود ہی کتاب پڑھنے سے مل جائے گا۔ خالد خلیل کی تمنا پر صرف انہی موقعوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ جبکہ وہ اپنی قوم

کے سلطان کا ذکر درمیان میں لاتا ہے۔ ورنہ اور ہر لحاظ سے وہ ایک سمجھدار ادیب اور حالات زمانہ پر حقیقت کے ساتھ غور کرنے والا ثابت ہوتا ہے اور اوس کے ان تجارب سے مسلمانان ہندوستان کو بے خبر رکھنا قومی لحاظ سے پسندیدہ امر نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ بریں اوس نے اپنی قوم کی حالت اور اس کے موجودہ حالات۔ خصائل اور معاشرت کو بہت عمدگی سے لکھا ہے۔ جنکا علم بھی ہمارے لئے مفید ہو سکتا ہے۔ اور انہیں وجوہات سے کارخانہ وطن یہ ترجمہ شایع کرتا ہے۔

الملتمس

بندہ محمد انشا اللہ عفی عنہ
اڈیٹر و مالک اخبار وطن و حمیدیہ ایجنسی لاہور
مورخہ یکم مئی سنہ ۱۹۰۶ء

دیباچہ

مصنف

اگرچہ کسی یورپین ملک نے معاملات ٹرکی میں برطانیہ اعظم سے بڑھکر حصہ نہیں لیا۔ تاہم ٹرکی کی نسبت جس قدر غلط فہمی اس ملک میں پھیلی ہوئی ہے کسی اور مغربی یورپ کے ملک میں نہیں۔ کئی دفعہ میرے انگریز آشناؤں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ٹرکی اغراض کے لحاظ سے ٹرکی پر ایک کتاب حوالہ قلم کروں۔ مجھے کتاب لکھنے کے دو طریقے بتائے گئے۔ ایک تو یہ کہ کتاب مفصل اور مشرح ہو۔ دوسرے یہ کہ مختصر اور مجمل ہو۔ ایک ضخیم و مشرح کتاب لکھنے کے لئے تو میں نے اپنے آپ کو ناقابل پایا۔ علاوہ ازیں میں نے خیال کیا کہ ایک مختصر اور مجمل کتاب ناظرین کا ایک وسیع حلقہ اپنا مشتاق بنا لیگی۔ اور دوسرے میں اُن سب غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے قابل ہو جاؤنگا جو انگلستان میں ٹرکی کی نسبت پھیلی ہوئی ہیں۔ لہذا میں نے سفرنامہ کی صورت میں یہ کتاب لکھنی شروع کی۔ اور اب میں اسکو "ایک ترک کا روزنامچہ" کا نام دیکر پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس میں ٹرکی سے متعلق بہت سے معاملات پر میں نے تھوڑی تھوڑی بحث کی ہے۔

ایک معترض اس کتاب پر کئی دیگر پہلوؤں سے اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ مگر مجھ پر یہ الزام نہیں کیا جا سکتا۔ کہ میں اصل حال سے بے خبر ہوں۔ اور یہ کہ ایک گمنام شخص کے تجربات پبلک کے لئے چنداں دلچسپی کا موجب نہیں ہو سکتے۔

مستورات کے معاملات کے باب میں میں نے چند فقرات اُن دو مضمونوں سے نقل کئے ہیں۔ جو کچھ عرصہ ہوا میں نے لندن کے دو ہفتہ وار اخبارات کوئین اور لیڈی میں لکھے تھے۔ میں دونوں اخبارات کے اڈیٹروں کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اون مضامین کو کتاب میں نقل کرنے کی اجازت دیدی۔

پہلا باب

میرا گھر ایشیائے کوچک میں

میرا ایشیائی حسب ونسب۔ میرے پردادا کا مذہبی طبقہ۔ اُسکی کراماتیں۔ میرا دادا اور سلطان محمود۔ شراب کا امتحان۔ میرے باپ کا اسراف۔ اُس کی وفات۔ ایشیائے کوچک میں ابتدائی جراحی۔ ٹیکہ چیچک کا اصلی گر۔ میری والدہ کے یورپین بزرگ۔ مستند یادداشت کے لئے لکھنے کی ممانعت۔

میں ایشیائے کوچک کے قدیم شہر انگورا میں پیدا ہوا۔ یہ شہر نہ صرف پشم والی بلیوں اور بھیڑوں کے لئے ہی مشہور ہے۔ بلکہ علم تاریخ اور علم قدامت کے بیش بہا یادگاروں کے سبب بھی مشہور آفاق ہے۔ چونکہ میرا ابتدائی زمانہ اس شہر میں گذرا۔ لہذا میرے سفرنامہ کا آغاز اس سے ہوتا ہے۔ اُن عالم لوگوں نے جو ایشیائے کوچک کی بابت سے مفصل تاریخی چھان بین اور قدیم ایشیا کی جستجو میں مصروف رہے ہیں۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ شہر کسی قدیم زمانہ میں کیلٹیک ([illegible]) لوگوں کا جو آخر ایشیا کوچک میں آباد ہو گئے مرکز رہا ہے اگرچہ بعد کے زمانوں میں ایشیائی حملہ آوروں نے اس کو فتح کر لیا۔ تاہم آج تک ہمارے صوبہ [illegible] و دیگر صوبوں خاصکر ایشیائے کوچک اور جنوبی ایشیائے کوچک کے باشندوں کی عادات [illegible] و اشکال و مشابہت میں اختلاف کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ اس ریمارک سے کے ساتھ [illegible] یہ نہیں کہ اپنا سلسلہ نسب یورپینوں سے ملانے کی کوشش کروں۔ اگرچہ مجھے خود شرم ہے کہ اس ملک کے بہت سے لوگ ایشیائیوں کو نہ صرف حقارانہ بلکہ متعصبانہ [illegible] ہیں۔ میرے بزرگ وسط ایشیا کے پار علاقوں سے آکر پہلے پہل خراسان میں جمع ہو کر آباد ہوئے۔ گو وہ پکے مسلمان تھے۔ لہذا ایرانی مسلمان اُن پر ظلم کرتے [illegible] اسلامی فرقوں کے باہمی جنگ و جدال سے مغربی ایشیا کی تاریخ خون سے [illegible] اب سے ایک سو پچاس برس قبل آخر تنگ آکر میرے بزرگ ایشیا سے

کوچک کی طرف ہجرت کر آئے۔ جہاں اون کی بعض اندیش خاطر ملاقات ہوئی۔ میرے پردادا ایک مذہبی طبقہ کا مبلغ جن کو حلوفی کہتے تھے شیخ یا امام تھا۔ اس طبقہ کو یہ نام اس واسطے دیا گیا تھا کہ امر سے اصول عام لوگوں پر ظاہر نہیں کیئے جانے تھے۔ مجھکو کوئی شک نہیں یہ بات ریاکاری کے انسداد کے لئے کی گئی تھی۔ تاریخی جستجو سے پتہ چلتا ہے کہ اس مذہبی طبقہ کے بانی مبانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے جو آنحضرت سرور کائنات کے داماد تھے۔ ایشیا کوچک میں آباد ہونے کے تھوڑے عرصہ میں شیخ اعظم کے مریدوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے اتنی ہزار ہو گئی۔ گرد و نواح کے صوبوں سے مشتاقان دید اس کی صحبت سے فیض و ثواب لینے کے لئے اُس کے عظیم الشان تکیہ میں آتے تھے۔ صرف اناطولیا اور شام میں ہی اُسکی تعظیم و تکریم نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ مصر میں جو کتابیں اُسوقت شائع ہوئیں اون میں بھی اُس کا نام ادب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ خیال نہ کر لینا چاہیئے کہ وہ مہدی کی قسم میں سے تھا۔ (چونکہ اس ملک کے لوگ سوڈان کے جھوٹے مہدی کی وقت سے اس نام سے بڑے مانوس ہو چکے ہیں) گذشتہ زمانہ میں کئی دنیاوی عزت و اقتدار حاصل کرنے کے لئے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

مریدوں کی کثرت کے باوجود میرا دادا اپنے جاں نثاروں کے ساتھ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اسوقت کے عثمانی تیمور لنگ نے اس کے حالات سنکر اسکی طرف ایک قاصد بھیج کر اطلاع دی کہ وہ اسکو جرکیشن میں جو انگورا اور بحرہ اسود کے درمیان واقع ہے جاگیر دینی چاہتا ہے۔

میرے پردادا نے اس دنیاوی مدد کے لینے سے انکار کر دیا اور ایک روا

اون کی کراماتوں کے متعلق ہمارے خاندان میں مشہور ہے۔ اُس

سامنے اپنا عصا دیوار کو مارا۔ مارنے کی دیر تھی کہ سونے رد

جھم جھم برسنے لگا۔ اُس نے قاصد کو کہا (جو بعد میں اُس کا مُر

دنیاوی چیزوں کی ضرورت نہیں۔ اون کے متعلق ایک اور حکا

سُنائی گئی تھی۔

ہمارے گھر میں ایک ہرن کی پوستین تھی۔ جس پر

اکثر سُنا ہے کہ میرا پردادا ہر جمعہ کو اس پوستین پر سوا

اور ... طبلے جو
دخصائص
میری ہز سے
بچپن کی معلومات میں
نظر سے دیکھتے اون
ملک ایران ...
تھے۔ اُن دو
رنگی ہوئی ہے

کیطرف جایا کرتا تہا۔ اور بیت اللہ میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ زمانہ بچپن میں تو میں ان روایتوں کو درست مانتا تھا۔ مگر اب میں ان پر کوئی جرح و قدح کرنا نہیں چاہتا۔ ایشیائی مورخ جب کبھی کوئی حیرت انگیز واقعہ بیان کرتے ہیں۔ تو بعد میں دروغ براست بر گردن راوی لکھ دیتے ہیں۔ میں بھی اون کی تقلید کرتا ہوں۔ تاہم مجھے اس بات کا بہت رنج ہے کہ میں ان کی پوستین کے ساتھ وہ عصا وراثت میں ہم کو نہ ملا۔

میرا دادا حسن کے مذہبی خیالات لڑکپن میں اپنے باپ سے متفق نہیں تھے۔ شیخ اعظم کا حواری نہ تہا۔ لہذا شیخ نے اسکو کہا کہ میرے مذہبی طبقہ کے اصولوں کے مطابق تم اس تکیہ میں نہیں رہ سکتے۔ اسپر میرا دادا اماں سے رخصت ہوا۔ اور ایک چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ انگورا کی طرف آ گیا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کر لی۔ یہ شہر تکیہ سے بسواری سترہ دن کی مسافت پر تہا۔ اس زمانہ میں یہ شہر علم و ہنر کا مسکن تھا۔ اس میں ایک ولی حاجی بیرم کا مزار ہے۔ ہر سال ہزاروں لوگ اسکی زیارت کو آتے ہیں۔ میرا دادا شہر میں کسی سے واقف نہ تھا۔ اور گذارے کی کوئی سبیل نہ رکھتا تھا۔ وہ اس مزار پر گیا اور ولی کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر خیالات کے سمندر میں ڈوب گیا اور سو گیا۔ سونے میں اس نے خواب میں ولی کو دیکھا جس نے اس کا نام پوچھا۔ اور دریافت کیا کہ پڑھنا جانتا ہے یا نہیں۔ دوسرے سوال کا جواب غیر تسلی بخش پا کر ولی نے اس کو ایک سبق پڑھایا۔ نیند سے بیدار ہو کر میرا دادا مزار سے باہر آیا اور چند طالب علموں کو پاس کے ایک مدرسہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا اور مدرسہ میں ایک نو مقرر شدہ لیکچرار سے ہمکلام ہوا۔ ان پرانے طرز کے مدرسوں میں لیکچراروں کی شہرت شاگردوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ لیکچرار نے میرے دادا کو جو اس وقت لڑکپن کی عمر سے کسی قدر نکل چکا تہا۔ اپنی جماعت میں داخل کر لیا۔ اور چند دیگر شاگردوں کے ساتھ رہنے کو ایک کمرہ دیا۔ وہ اس مدرسہ میں کئی سالوں تک پڑھتا رہا۔ اور آخر خود شرع۔ فلسفہ و فقہ کا پروفیسر بنا۔ مختلف مساجد میں قرآن شریف کے حوالوں سے لیکچر دیکر اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اس کا لیکچر سننے کی غرض سے کئی اشخاص مساجد میں جمع ہوتے۔ اس کے پاس ایشیائی روم کے بڑے بڑے عالم مشکل مسائل حل کرنے کی درخواست کرتے۔ شہر کا حاکم اوسکا بڑا ادب کرتا۔ اور اکثر اوس کی ملاقات کو آتا۔ مگر وہ خود شہر میں کسی سرکاری دفتر کی دہلیز سے بھی نہیں گذرا۔

سلطان محمود ثانی کے عہد میں جو ۱۸۰۸ء سے لیکر ۱۸۳۹ء تک حکمرانی کرتا رہا ہے شاہی خاندان میں ایک شادی کے موقعہ پر قسطنطنیہ کے ذی عزت اشخاص سارے ملک سے قسطنطنیہ مدعو کئے گئے۔ سلطان کے طبیب خاص نے (جسکا پوتا آج کل ترکی سفیر متعینہ لنڈن کا کونسلر ہے) جو میرے دادا کا شاگرد تھا۔ فہرست میں اس کا نام نہ دیکھکر سلطان کی خدمت میں اسے بھی مدعو کرنے کی پرزور سفارش کی۔

ایک درباری لیفٹیننٹ تمام ایشیائے کوچک کیطرف روانہ ہوا اور میرے دادا کو دار السلطنت کی طرف لایا۔ شادی کی تقریب میں ایک بڑی بھاری ضیافت شاہی محل میں بڑے بڑے علماء کو دیگئی۔ محمود ثانی نے ان مقدس لوگوں کی پارسائی اور زہد کو آزمانے کے لئے ایک نئی تجویز نکالی۔ جب یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ شاہی خدمتگار سرخ رنگ عرقیات کی بھری ہوئی بوتلیں لائے۔ ان خدمتگاروں کے پیچھے پیچھے چند سپاہی ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے آئے۔ اور دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ حیران و ششدر مہمان نہیں جانتے تھے کہ ان بوتلوں کو کیا کریں۔ وہ تعجب خیز خاموشی سے انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں ان کو کہا گیا کہ بوتلوں میں شراب انگوری ہے۔ شراب خانہ خراب ہے۔ یہ عقل و ہوش کو گم کر دیتی ہے ایماندار کے لئے اسکا چھونا بھی حرام ہے۔ اس زہر ہلاہل کو پیغمبر علیہ السلام ام الخبائث کے نام سے پکارتے تھے۔ سرسری طور پر یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ سلطان محمود اپنی سلطنت میں اصلاح کرنی چاہتا تھا۔ اپنے جانی دشمنوں جنیسریوں سے چھٹکارا حاصل کرکے اس نے انتظام سلطنت کے لئے نہ صرف یہی کہ چند یورپین طریقے رائج کئے۔ بلکہ بعض معاشرتی اصول بھی پسند کئے۔ اور اپنے افسروں اور فوج کو یورپین طرز کا لباس اور وردی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اس پالیسی نے ایشیا کے عمامہ باندھنے والے مقدس لوگوں کے دلوں میں پہلے ہی شک و شبہ پیدا کر دیا تھا۔ جب اس مقدس مجمع کے سامنے شراب پیش کیگئی۔ تو ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا "چونکہ سلطان یورپین سرزمین پر حکمران ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اپنی رعایا کو یورپینوں سے زیادہ متمدن کریں۔ اور رعایا کی طرف سے اس امر کی مخالفت سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگی۔ مزید براں شہنشاہ نامدار کی خواہش ہے۔ کہ تنگ خیالی دور ہو جائے۔ اور نئی چیزوں کی نفرت۔ خواہ وہ یورپینوں سے ہی کیوں نہ نقل کی جائیں اور ترک کرنی چاہیئے

آخر میں دھمکی دیگئی۔ کہ جو مہمان شراب کے پینے سے انکار کریں گے وہ بادشاہ کی حکم عدولی کے جرم میں سزا کے مستوجب ہونگے۔ اب تو اُن بیچاروں کی یہ حالت ہوئی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری طرف کھائی۔ اب جائیں تو کدھر جائیں۔ کریں تو کیا کریں۔ رنگ زرد پڑ گئے۔ زبانیں بند ہوگئیں۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ حکم مطلق العنان بادشاہ کا تھا جو ابھی ابھی جنیسریوں کا قلع قمع کر چکا تھا۔ تاہم میرا دادا اپنی جگہ سے اُٹھا اور کہا کہ کیا بادشاہ یورپینوں کی نیک باتیں نقل نہیں کرسکتا؟ ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہا کہ مذہب کے رو سے شراب حرام ہے۔ اور جس نے اسکو حرام کیا ہے وہ نہر محمد بشی سے کہیں بڑھ کر بالا و برتر ہے۔ یہ کہہ کر وہ آگے چلدیا اور جب وہ خدمتگاروں اور سپاہیوں کو ہٹا کر اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ سلطان محمود اس عجیب و غریب منظر کو چھپ کر دیکھ رہا تھا۔ اچانک مسکراتا ہوا نمودار ہوا۔ اور سفید ریش و سبز عمامہ بزرگوں کو تسلی دینے کے لئے کہا کہ میں تو صرف ان لوگوں کی پارسائی اور زہد کی آزمائش کرتا تھا۔ جو میری رعایا کی مذہبی رہنمائی کرتے ہیں۔

بعد ازاں سلطان نے میرے دادا کو شرف ملاقات بخشا۔ اور فرمایا آپ شہزادوں کو (جن میں عبدالمجید بھی جنگ کریمیا کے وقت سلطان تھا شامل تھا) عربی زبان کی تعلیم دیا کریں۔ ساتھ ہی قسطنطنیہ کی رہائش اختیار کر لینے کا مشورہ دیا۔ اور وعدہ کیا کہ کسی وقت شیخ الاسلام کے جلیل القدر منصب پر سرفراز کر دوں گا۔ مگر میرے دادا نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "بندہ اس عزت افزائی اور عنایت خسروانہ کے قبول کرنے سے معذور ہے۔ اس خاکسار کی آرزو ہے کہ زندگی کے باقی دن گوشہ تنہائی اور یاد خدا میں بسر کرے"۔ اس کے بعد عرض کی کہ اگر مدرسہ کی ہیڈ مدرسی جس میں وہ اتنے سال تعلیم پاتا رہا تھا۔ جملہ متعلقہ وقف کے مل جائے تو وہ ہمیشہ ان کی درازی عمر و ترقی دولت کی دعا مانگتا رہے

جب میرا دادا اپنے شہر واپس چلا گیا تو سلطان محمود نے اُسکی قناعت و پارسائی سے خوش ہو کر اپنے دست مبارک سے رسول اللہ صلعم کی ایک حدیث لکھکر اور اسکو خوبصورت فریم میں لگا کر اُس کو بغرض خوشنودی مزاج کے ارسال کی۔ اُس حدیث کا مطلب یہ ہے "خدا اُس عالم سے خوش ہوتا ہے جو پارسا۔ قانع۔ باحیا اور گوشہ نشین ہو۔ علاوہ ازیں اُس نے میرے دادا کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور فرمان میں یہ فقرہ ایزاد کیا کہ اگر

اسکو یا شاید بیس سال کی عمر کے بعد اُن مضامین میں جن میں وہ جویا ہوتے ہیں درجہ بالا کے اعلیٰ امتحان پاس کر لیں تو یہ جائداد ان کو بطور وراثت دیجاوے۔ شاہی فرمان جو منجانب سلطانی و مستقلاً تحریر شدہ ہے ابھی تک ہمارے خاندان کے پاس موجود ہیں۔ یہ ذاتی جاگیر پشت بہ پشت میرے باپوں کو پہنچی۔ مگر موجودہ سلطان کے عہد میں جس میں ملکی حقوق کی کچھ پروا نہیں کیجاتی اور شخصی ظلم و جبر کا طوفان برپا رہتا ہے۔ جاگیر ضبط کر لی گئی۔

مصنف نے سلطان عبد الحمید ایسے روشن ضمیر سلطان کے عہد حکومت پر جو الزام لگایا اُس کی تردید خود واقعات کر رہے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جس طرح پہلے سلطانوں کے عہد میں بعض بدخواہ لوگوں کو بے جا فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا تھا۔ اب نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے بعض دشمنان ملک و ملت اس عالی تبار سلطان کے برخلاف ہذیان بکتے رہتے ہیں۔ مگر یاد رہے۔ چاند کا تھوکا منہ پر پڑتا ہے۔ عبد الحمید کے زمانہ کی ترقیات معلوم کرنے کا شوق ہو۔ اور ضرور ہونا چاہیے تو برادر مکرم و معظم مولانا مولوی محمد انشاء اللہ خانصاحب زاد لطفکم کی کتب متعلقہ دولت عثمانیہ کا مطالعہ ضرور کریں۔ مترجم)

ہم نے گورنمنٹ میں درخواست دی کہ ہماری جائداد واپس دیجائے۔ پندرہ سال تک مختلف عدالتوں میں چارہ جوئی کرکے ہم نے ایک بڑی رقم خرچ کی۔ مگر کامیابی محال کیا دشوار تھی۔ کیونکہ بقول ایک ترک شاعر کے ؎

وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف ٹھیرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

یہ شعر درحقیقت داغ مرحوم کا ہے۔ مگر مصنف نے ترکی شعر کا جو ترجمہ انگریزی میں دیا ہے بالکل اس شعر کے ہم معنی ہے۔ مترجم)

جب میرا دادا باسٹھ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ تو جاگیر میرے باپ کے قبضہ تصرف میں آئی۔ اور وہ اپنے باپ کیطرح علماً اعلیٰ لائق نہیں تھا۔ چونکہ وہ کامیابی سے ملازمت سرکاری میں داخل ہو گیا تھا۔ اُس کا حصہ ضبط ہو گیا۔

میرا باپ بے حد خیرات کرتا تھا اور دوسروں کی مدد کرنے میں اپنی جائداد کا اور نیز میری والدہ کی پرائیویٹ آمدنی کا بڑا حصہ خرچ کر دیتا تھا۔ اُس کا اسراف اس قدر بڑھ گیا کہ جبتک

بہت سے مہمان اُس کے دسترخوان پر نہ ہوتے۔ اِس بات کی پروا نہ تھی کہ مہمان غریب
ہے یا امیر۔ وہ کھانا ہی نہ کھا سکتا تھا۔ جب وہ ایک متوالے سرکاری افسر کے قاتلانہ
حملے سے زخمی ہوکر جان بحق تسلیم ہوا۔ تو وہ ہمارے لئے سوائے اُس سرکاری جاگیر کے
ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑ گیا۔ اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ وہ جاگیر [illegible]
کے عہد میں ضبط ہوگئی۔ مگر ہماری خوش قسمتی سے والدہ کی جائداد بدستور ہمارے پاس
رہی۔ میرا باپ اُسکو ضائع نہ کرسکا۔

جس وقت متوالے افسر نے میرے باپ پر حملہ کیا۔ اُسوقت میری عمر نو برس کی تھی۔ حملہ
کی مختصر کیفیت اسطرح پر ہے۔

ایک شام چند مستورات میری والدہ کو ملنے کے لئے آئیں۔ چونکہ ہم میں عورتوں کا پردہ
میں رکھنے کا دستور ہے۔ ان برقعہ پوش مہمانوں کے مکان میں داخل ہونے سے پیشتر میرے
والد کو ایک طرف ہوجانا ضروری تھا۔ اُس نے مجھے اپنے ساتھ باہر چلنے کو کہا تاکہ ہم شام
کے وقت پڑوسی دوستوں کے ہاں سیر کریں۔ وہاں میں نے ایک متوالا افسر دیکھا۔
میرا باپ میخواری اور میخواروں سے سخت متنفر تھا۔ اور اُس نے اس بات کو پسند نہ
کیا جس کمرہ میں ایک شرابی بیٹھا ہے۔ اُس میں وہ بھی بیٹھے۔ یہ افسر شراب کے نشہ میں
اکثر تالیاں بجاتا تھا۔ اور گاتا تھا۔ میرے باپ کے اس بار نفرت کرنے سے وہ افسر سخت بگڑ
بس پھر کیا تھا۔ دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ اُس شخص نے میرے باپ پر حملہ کیا۔ اور
اُسکی لمبی سفید ریش کو پکڑ کر کھینچا۔ میرے باپ نے اسکو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا۔ لیکن
دھکیلتے وقت اُسکا انگوٹھا متوالے کے منہ میں آگیا۔ نتیجہ یہ کہ اُس نے دانتوں سے
انگوٹھے کو بیچ ہی توڑ ڈالا۔ اگرچہ ترکی ایک قدیم ترقی و تہذیب کا مخزن رہا
ہے۔ مگر موجودہ زمانہ ترقی و تہذیب نے اُسکو ابھی تک مَس تک نہیں کیا۔ (ناظرین! پر
آپ جیسے محبان وطن ہیں۔ یہاں موجودہ ترقی و تہذیب کا بہت کچھ جانتے ہیں کیا آپ
خود موجودہ ترقی و تہذیب کا کچھ کم نمونہ پیش کر رہے ہیں؟ مترجم) ہمارے شہر میں کوئی
ایسا جراح نہ تھا کہ سائنٹفک طریقہ پر اس کام میں ماہر ہوتا۔ میرے باپ کا انگوٹھا ٹھیک
علاج نہ ہونے کے باعث خراب صورت اختیار کرتا گیا۔ وہاں کے ڈاکٹر عام طور پر حجام
لوگ تھے جو اپنا کام کرنے کے علاوہ فصد لگانے کا کام بھی کرتے تھے۔ فصد لگانا

کا کام بھی کرتے تھے۔ فصد نکالنے کا دستور یورپ میں عام طور پر مروج ہو رہا ہے۔ اور ایشیاء میں ابھی تک مروج ہے۔ میرے دیس کے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ موسم کے موسم خون نکلوانے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ لہذا وہ خود فصد کراتے ہیں۔

موسم گرما کا آغاز اس عمل کے لئے نہایت موزوں خیال کیا جاتا ہے یعنی تازہ پھل کھانے کے موسم سے پہلے پہلے خون یا تو نشتر کے ذریعہ خارج کیا جاتا ہے۔ یا جوکوں کے لگانے سے۔ جو عموماً بازوؤں اور ٹانگوں پر لگائی جاتی ہیں۔ دو شخص میرے باپ کے علاج پر لگائے گئے۔ ایک تو بوڑھا حجام اور ایک ماہر فصاد۔ اونہوں نے اپنی اعلے سے اعلے مرہموں کا استعمال کیا۔ مگر فائدہ کی بجائے میرے باپ کا انگوٹھا دن بدن بدتر حالت میں ہوتا گیا۔ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کانفشہ ہو گیا۔ ماہر فصاد نے ہم سے کہا کہ وہ فوج میں سرجن (جراح) رہ چکا ہے۔ اور اسکو بڑا فخر تھا۔ کہ اس نے جنگ کریمیا کے وقت بارہ زخمی سپاہیوں کے بازو اور ٹانگیں کاٹیں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ان بدقسمت سپاہیوں کو بھی وہیں بھیجا ہوگا۔ جہاں میرے باپ کو بھیجا۔ تاہم اپنے لمبے چوڑے تجربات کے باوجود اس نے میرے باپ کے بازو کو نہ کاٹا۔ اگر کاٹ دیتا تو خیال ہے۔ زخم کی سڑان رک جاتی۔ میری ماں نے متوالے افسر کے برخلاف عدالت میں چارہ جوئی کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئی۔ اسکو صرف چند ماہ قید کی سزا ہو گئی۔ اور ہم کو پانسو پونڈ دلوائے گئے۔ (تعجب ہے کہ یہ شخص اس سزا اور تاوان کے باوجود اپنی ماں کو ناکام بتلاتا ہے۔ کیا انگوٹھا کاٹنے کی سزا میں اوسکو پھانسی دیجاتی۔ اگر اسکا باپ مرا ہے۔ تو اسمیں ڈاکٹروں کی نالائقی ہے۔ یا اوس کے باپ کی بے پروائی۔ عدالت کا فیصلہ بہرصورت قابل تحسین ہے۔ کیا انہیں خیالات کے بل بوتہ پر یہ شخص عبدالحمید کی گورنمنٹ پر اعتراض کرتا ہے۔ بدیں عقل و دانش بباید گریست۔ مترجم)

میں امید کرتا ہوں۔ بیان نفس مضمون سے ذرا گریز کر جانے سے مجھے معاف رکھا جائے گا۔ میں نے اپنے دیس میں فن جراحی کی ابتر حالت پر بہت زور دیا ہے۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ ترکی فن طب میں بالکل ہی کوری ہے۔ بعض صورتوں میں تو سب کی استاد ہے بطور مثال وہ بفخر دعوی کر سکتی ہے کہ ٹیکہ چیچک اسکی ایجاد ہے۔ اور یہ بات یاد

کہنے کے قابل ہے۔ کہ جنیر کے تجربہ سے پہلے لیڈی میری وارٹلی منٹیگو نے یہ طریقہ ترکی سے لاکر انگلستان میں رائج کر دیا تھا۔ لیڈی میری نے انسان کے چیچک کے دانوں سے جاگ لیکر ٹیکہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ مگر تاریخ جیوت (جلد دوئم صفحہ ۱۴ سوپرلیس مارک ٹرک ۹۔ برٹش میوزیم لائبریری) کے بقول بچھیڑے کی جاگ سے بھی ٹیکہ لگایا جاتا تھا۔

ایشیائے کوچک کے خانہ بدوش قبائل کے ایک ترکمان قسطنطنیہ آیا ہوا تھا۔ اوس نے وہاں بچوں کو بچوں کی جاگ سے ٹیکہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ ہمارے دیس میں گائے دوہنے والوں کی آنکھوں سے جاگ حاصل کیجاتی ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ لیڈی میری نے اوس ترکمان کا بیان بھی سُنا تھا۔ مگر اُس نے اپنے خط میں اُسکا ذکر نہیں کیا۔

یکم اپریل ۱۷۱۷ء کو اڈریانوپل سے انگلستان کیطرف ایک خط میں لیڈی میری وورٹلی منٹیگو ارقام کرتی ہے۔

“میں آپ کو ایک بات بتاتی ہوں۔ اور یقین کرتی ہوں۔ کہ آپ سُن کر لکھنے کیلئے اُٹھیں گے کاش میں بھی وہاں ہوتا۔ چیچک جو ہمارے وہاں نہایت ہی مُہلک اور عام طور پر ہوتی ہے۔ یہاں ایک قسم کی ایجاد سے جسکو یہاں ٹیکہ کہتے ہیں۔ بالکل بے ضرر بیماری ہوجاتی ہے۔ چند بوڑھی عورتیں موسم خزاں میں بماہ ستمبر جبکہ گرمی کی شدت کم ہوجاتی ہے یہ عمل کرتی ہیں۔ (ٹیکہ لگاتی ہیں۔ مترجم) لوگ ایک دوسرے کیطرف پیغام بھیج کر معلوم کرتے ہیں۔ کہ کسی خاندان میں ٹیکہ لگانے کا خیال ہے یا نہیں۔ پھر اس غرض سے وہ میلہ کرتے ہیں۔ اور پندرہ یا سولہ کی تعداد ہوجاتی ہے تو بوڑھی عورتیں اعلےٰ قسم کے چیچک کے مصالح بھرے ہوئے بل اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ اور دریافت کرتی ہیں کہ کونسی رگ پر ٹیکہ کرانا منظور ہے۔ جو رگ تم پیش کروگے اُسکو وہ فوراً ایک بڑی سوئی سے چھید دیگی۔ چھیدتے وقت نہایت ہی خفیف درد ہوتا ہے۔ پھر اُس رگ میں سوئی کی نوک پر جتنا زہر چڑھ سکتا ہے۔ داخل کر دیتی ہیں۔ اور پھر زخم کو ایک باریک جھلی سے بند کر دیتی ہیں۔ اسطرح وہ چار یا پانچ رگیں چھیدتی ہیں۔ بچّے اور جوان ٹیکہ کرانے کے بعد دن بھر کھیلتے کودتے رہتے ہیں۔ اور آٹھویں دن تک بالکل تندرست

رہتے ہیں۔ پھر اون کو بخار چڑھنا شروع ہوتا ہے۔ جو دو دن تک اور کبھی تین دن تک رہتا ہے۔ اون کے چہرہ پر بیس یا تیس دانے نکلتے ہیں۔ مگر اون کا نشان نہیں رہتا آٹھویں دن وہ بالکل تندرست ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص آج تک اس عمل سے ہلاک نہیں ہوا۔ اور آپ یقین کریں۔ میں اس تجربہ سے نہایت ہی خوش ہوئی ہوں اور اپنے چھوٹے بچہ پر اسکی آزمائش کرنی چاہتی ہوں۔ میں نے انگلستان میں اس طریقہ کو رائج کرنے میں اپنی حب الوطنی کا کافی ثبوت دیدیا ہے۔"

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ سرکیشین اور کاکیشیا کے بعض دیگر قبائل۔ اس ٹیکہ کے فوائد سے واقف تھے۔ اور زیادہ تر غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ اور نوجوان لڑکیوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر اون کی صورت میں فرق آجاتا تو اون کی قیمت گھٹ جاتی تھی۔ اس بیماری کی ابتدائی تاریخ بہت کم معلوم ہے۔ مگر یہ مسلمہ امر ہے کہ ایک قدیم عرب حکیم ریزس نے جس کا نام ایشیائیوں اور ڈاکٹری تاریخ کے طالب علموں کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس بیماری کی علامات مشرح طور پر بیان کی ہیں اس کی کتاب کا نام کتاب الجدری والحصبہ ہے اس کے ترجمہ کا نام Treatise of Small pox and Measles ہے۔ اس کتاب کو اٹھارہویں صدی کے آغاز میں۔ جیمس بین ٹی شارک نے لاطینی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔

ہمارے ملک کے لوگ یورپ کے کاروباری لوگوں کی طرح روپیہ جمع نہیں کرتے۔ وہ لوگ جن کے پاس فاضل روپیہ ہے اور اسکا استعمال نہیں جانتے ڈرتے ہیں کہ چوری نہ ہو جائے۔ یا بے مہربان سلطان کے ملازم نہ چھین لیں۔ اپنے روپیہ کو مکانوں یا کھیتوں کے کسی گوشہ میں دبا دیتے ہیں۔ لو یہ شخص خواہ مخواہ واقعات کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ٹرکی میں جابجا بینک جاری ہیں اور چند سالوں سے زرعی بینک بھی قائم کئے گئے ہیں۔ سلطنت روم میں جان و مال کی ایسی ہی حفاظت ہوتی ہے جیسے کہ دیگر مہذب سلطنتوں میں۔ مترجم۔)

مگر ہم اپنی والدہ کے پانسو پونڈوں کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ کسی آدمی نے مشورا دی کہ پشم دار بکریاں خرید لو۔ ان کی پشم ہر موسم بہار میں کاٹ کر فروخت کرو گے تو تو معقول آمدنی ہو جائے گی۔ یہ بات روم و روس کی جنگ کے تھوڑی دیر بعد کی ہے

چونکہ [illegible] بارش مانند [illegible] الوا کی قیمتی بکریاں بھی سستے داموں دستیاب ہو جاتی ہیں [illegible] سینکڑوں بکریاں خرید لیں۔ مگر مصیبت اکیلی نہیں آتی۔ ایک سال ہی بیماری صوبہ [illegible] بازار علی میں وبا پھیل گئی۔ اور ہماری تقریباً ساری بکریاں ہلاک ہو گئیں میری [illegible] اس مصیبت کو قدرت کی طرف محمول کیا۔ مگر اس خیال سے اپنی تسلی کر لی۔ میری ماں فہمیدہ اور ذہین عورت ہے یہاں عورتوں کی پست حالت کے سبب جس کے کئی وجوہات ہیں۔ میری [illegible] علمی ترقیات کی دولت سے محروم رہی۔ وہ قسمت کی قائل ہے۔ وہ جو کچھ مذہبی پیشوا اور عالم کہا کرتے ہیں۔ بتاتے ہیں۔ وہ مانتی ہیں۔ وہ جاہل مطلق بھی نہیں۔ بلکہ اپنے زمانہ میں [illegible] اچھی تعلیم یافتہ عورت خیال کی جاتی تھی۔ چونکہ وہ دوسری عورتوں میں بقول انھوں میں [illegible] پڑھی ہوئی تھی بہت سی عورتیں اس کے پاس آتیں اور وہ ان کو مذہبی کتابیں اور قصص باآواز بلند پڑھ کر سناتی۔ وہ لکھ بالکل نہیں سکتی تھی اور اس کی [illegible] ضرورت بھی ہے

پہلے زمانہ میں ترکی [illegible] لڑکیوں کو لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا۔ زمانہ گذشتہ میں بھی کئی ترکی عورتیں ماہر شاعرہ ہوئی ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی لکھنا نہ جانتی تھی۔ اس ممانعت کی وجہ یہ بتائی جاتی تھی کہ اگر لڑکیاں لکھنے میں ماہر ہو جائیں تو وہ جادوگر بن جاتی ہیں۔ مگر اصل وجہ اور ہے لوگوں کو خوف تھا۔ اور بالکل بے محل بھی نہ تھا۔ کہ اگر لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں تو وہ غیر مردوں کے ساتھ ان سے تعلقات پیدا ہو جانے کی صورت میں نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کر کے کہیں منہ کالا نہ کر جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سخت پردہ میں رکھا جاتا ہے۔ اور جب لڑکا جوان ہونے لگتا ہے تو اسے زنان خانہ میں جانے کی ممانعت ہو جاتی ہے۔ کچھ عرصے سے یہ فضول اور فی الحقیقت نقصان دہ ممانعت خود بخود موقوف ہو رہی ہے نہیں بلکہ اصل واقعہ یوں ہے کہ موجودہ سلطان نے نہ صرف لڑکوں کی تعلیم کا بندوبست کیا ہے۔ بلکہ لڑکیوں کے لئے بھی جابجا مدارس قائم کئے ہیں۔ اور ہر طرح ان کی حالت کو سنوارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مترجم اگر میری ماں کے ابتدائی دنوں میں یہ ممانعت بدستور قائم تھی۔ لہٰذا اسے لکھنے کی اجازت نہ دی گئی۔ تاہم اپنی ناقص تعلیم کے باوجود ہمیں خوش اور اپنی دانائی سے ہماری معاشرتی حالت کو درست رکھتی۔ میری ماں کے خاندان کے تمام ممبر کاروبار کی اچھی تمیز رکھتے ہیں۔ اور یہ وصف ان کی نسل [illegible]

جن کی رگوں میں ایک غیر کے خون شامل تھا۔ میرا اپنا خیال ہے کہ میری ماں کے بزرگوں میں ضرور یورپین خون کی آمیزش تھی۔ وہ اُن سپاہیوں کے خاندان سے تھی جن کو عثمانی سلطانوں نے بوسنیا اور ہرزی گوینا کی سرحدوں اور صوبوں کی حفاظت پر متعین کیا ہوا تھا۔ ان دنوں میں ترک اپنے دشمنوں کی طرح اپنے اسیران جنگ کو غلام بنا لیتے تھے چنانچہ وہ ترک جن کو انڈیا اور ہنگری میں غلام بنا لیا گیا۔ ابھی تک اپنے ترکی قسم کے ناموں سے ممیز ہو سکتے ہیں۔ مگر ترک جو غلام بناتے تھے۔ اُن کو ترکی نام رکھنے پڑتے تھے۔ اس طرح ناموں کے ذریعہ تو ان کی شناخت محال بلکہ دشوار ہے۔ مگر ان کے خال و خد اور کیرکٹر کا رنگ ڈھنگ ان کو فوراً ممیز کر دیتا ہے۔ میری ماں کے بزرگ سپاہیوں نے کوئی شک نہیں یورپین لونڈیوں سے شادی کی۔ یورپین نسل سے تو میں پہلے ہی انکار کر چکا ہوں جبکہ میں نے اپنے بزرگوں کو ایشیائی الاصل بتایا ہے۔ مجھے یہاں اس باب میں زیادہ رد و کد کی ضرورت نہیں کیونکہ ایک شخص کا حسب و نسب باپ کی طرف سے گنا جاتا ہے

میری ماں اپنے شہر اور گھر میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ اس کے گھر سے چند منٹوں کی مسافت پر ایک منڈی ہے۔ جسکو اس نے اپنی عمر بھر میں کبھی بھی نہیں دیکھا۔ البتہ پانچ سال ہوئے وہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ کی طرف گئی تھی۔

دوسرا باب

سکول اور حرم میں

تعلیم سے میری نفرت۔ سکول میں لازمی حاضری۔ سکول کی مار پیٹ۔ اس کے متعلق ذاتی تجربہ۔ سکول کی لڑکیوں کو کس طرح سزا دی جاتی ہے۔ سزا دینے کے پرانے آلات۔ سزا خدائی رحمت ہے۔ ایک ڈالس کے چرانے میں میری مدد۔ میری حرکت پر میری ماں کا رنج۔ گوشمالی کے طور پر سخت گیر چچا کے سپرد ہونا۔ میرے چچا کی بیویاں۔ حرم کے آداب۔ پہلا سگرٹ۔ پھر وہی مار پیٹ۔ حرم سے میرا اخراج۔

کثیر الازدواجی کی رسم۔ اسکا شوق اور چرچا۔ یورپین سسٹم۔

آنحضرت سرورِ کائنات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ بہشت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے۔ اس کی تفسیر اسطرح پر ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص بہشت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونا چاہے تو اس کو چاہئے۔ اپنی ماں کا ادب کرے۔ اور اس کے آگے سر تسلیم خم رکھے۔ مجھے بچپن سے ہی اس قسم کی تعلیم دی گئی۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ میری قسمت میں بہشت کی نعمت ہرگز نہیں لکھی۔ کیونکہ جب میں لڑکا تھا۔ میں اپنی ماں کو سخت تکلیف دیتا تھا۔ کسی مرد کا سایہ سر پر نہ تھا۔ جو جی میں آتا تھا کر گذرتا تھا۔ میں ایک بے سمجھ اور غافل لونڈا تھا۔ سکول سے میں اسقدر ڈرتا تھا جس طرح لاحول سے شیطان ڈرتا ہے۔ اپنے گرمائی مکان میں میں نے بہت سے راج ہنس رکھے ہوئے تھے۔ اور ان میں ہی اپنا سارا وقت ضائع کر دیتا تھا۔ مجھے لوگ ہنسوں کا رکھوالا کر کے بلاتے تھے اور ترکی میں یہ اصطلاح بیوقوفوں پر بولی جاتی ہے۔ شہر میں جو ہمارا مکان تھا۔ اُس میں میں نے بہت سے کبوتر پال رکھے تھے۔ اور اس امر میں میں منفرد بھی تھا۔ یہ کبوتر چھوٹے چھوٹے اور سفید رنگ کے تھے۔ خلاف معمول نہایت بلندی تک پرواز کرتے۔ اور چند گھنٹوں تک نظر سے غائب رہتے۔ بعض وقت اچانک دھم سے نیچے گرتے۔ اور ہوا میں معلق قلابازیاں لگاتے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پھر اڑ جاتے۔ یہ دانا اور قابل تربیت پرندے چیت۔ دفعہ قسطنطنیہ میں لائے گئے۔ مگر اس شہر کی آب و ہوا ان کے راس نہ آئی۔ جب میں اپنا وقت ان بے زبان پرندوں میں ضائع کر رہا تھا۔ میرا بھائی اور چچا زاد بھائی لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ اور میں اس بات کو فضول سمجھتا تھا جب میری ماں مجھے سکول بھیجنے سے عاجز آگئی۔ تو اس نے مجھے میرے دادا کے زر خرید حبشی غلام کے حوالے کر دیا۔ یہ حبشی ہمارے پڑوس میں رہتا تھا۔ اور بیوی اس کی سفید فام اور بچے اس کے گندم گون تھے۔ یہ حبشی ابھی لڑکا ہی تھا۔ کہ میرے دادا نے اسکو نخاس غلاماں سے خرید لیا تھا۔ اور چونکہ مسلمانوں میں غلاموں کو آزاد کرنا بڑا ثواب کا کام گنا جاتا ہے۔ میرے دادا نے اسکو خریدتے ہی آزاد کر دیا۔ اور کچھ جائداد دیکر اس کی شادی بھی کر دی۔ یہ بوڑھا آدمی ماں سے میری بدسلوکی و بے ادبی کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اپنے وعدہ کے مطابق جو اس نے بطور خود کیا تھا۔ ایک صبح وہ ہمارے گھر آیا۔ اسنے نہایت سنجیدگی اور متانت سے مجھ کو سکول چلنے کو کہا۔ میں نے عذر کیا۔ جو کتابیں اور کاغذ میرے پاس تھے وہ چوہے کتر گئے ہیں۔ میں کیسے سکول جا سکتا ہوں۔ اُس نے کہا کچھ پروا نہیں۔ میں نئی خرید کر دوں گا۔

بہت قیمتی ہو سب دیا۔ اُن کا خریدنا فضول ہے۔ کیونکہ میں اُن کا استعمال ہی نہیں جانتا۔ پھر تو وہ سیاہ فام گرانڈیل آدمی غصے سے اپنے سفید دانت پیستا ہوا میری طرف بڑھا۔ اور اپنے سخت اور کھردرے ہاتھ سے مجھے کان سے پکڑا اور اسی حالت میں سکول تک لایا۔ اس بات سے میرا بھائی اور بہن چچا زاد بھائی خوب کھل کھلا کر ہنسے۔

سبق پڑھتے وقت میرا خیال ہمیشہ اِدھر اُدھر کی طرف لگا رہتا۔ کئی دفعہ میں سکول جانے سے گریز کرتا۔ مگر وہ بوڑھا حبشی اسی طرح کان سے پکڑ کر لے آتا۔ سکول کا ماسٹر چند سال تک مجھے جسمانی سزا دیتا رہا۔ اور آخر خدا خدا کر کے میں سبق کی طرف کچھ کچھ توجہ کرنے لگا

کم و بیش ایک سال کے بعد مجھے اعلےٰ سکول میں جانا پڑا۔ اس سکول میں ایک سو طلباء چند ماسٹر اور ایک سخت گیر ہیڈ ماسٹر تھا۔ ان ایام میں اگر سکول کے لڑکے کسی قسم کی شرارت کرتے تھے۔ تو ان کو چابک لگائے جاتے تھے جس طرح ہیڈ ماسٹر دل کھول کر چابک مارتا تھا اس طرح میں نے کبھی کسی ماسٹر کو مارتے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ تاہم میں کم و بیش بچا رہا۔ کیونکہ دو سال کے عرصہ میں مجھے صرف تین دفعہ مار پڑی۔ سزا اچھی خاصی لطف مار دل کی ہوتی تھی۔ میں نے تین دفعہ پچاس بید پاؤں کے تلوؤں پر کھائے۔ بیس شرارت کرنے کے جرم میں پندرہ بیوقوفی کے الزام میں اور پندرہ ریاضی میں کمزور ہونے کی پاداش میں۔ بعض دفعہ میں نے عام لڑکوں جیسی شرارتیں کیں۔ اور اگر میں ہیڈ ماسٹر اور اس کے مخالفوں کی عقابی نظروں سے نہ بچ رہتا۔ تو سخت سزا کا مستوجب ہوتا مگر ایک دفعہ میں نماز کے وقت کھیلتا ہوا پکڑا گیا۔ اور بیس بید کھائے۔ ہیڈ ماسٹر سہ پہر کے وقت لڑکوں کو ایک بڑے کمرے میں لاتا۔ اور عصر کی نماز خود پڑھاتا تھا۔ ہمارے معبدوں میں لوگ جبیں فرش پر رگڑتے ہیں۔ اور بار بار اللہ کا نام لیتے ہیں۔ دل سے تمام دنیاوی خیالات دور کر کے ساری توجہ یاد الٰہی میں لگا دیتے ہیں۔ ساری نماز پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتی ہے اور ایک سجدے میں ایک منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا۔ ایک دن جب سارا مجمع سجدے میں تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے پاس کے لڑکوں کی ترکی ٹوپیاں اتار کر ایک جگہ نیچے اوپر رکھ دیں۔ اور پھر اپنی جگہ جا کر سجدے میں چلا گیا۔ جب نماز ہو چکی۔ تو چند لڑکے ننگے سر دیکھے گئے۔ ہیڈ ماسٹر کو اس امر کی اطلاع کی گئی۔ کیونکہ مسلمانوں میں ننگے سر نماز نہیں پڑھتے۔ اور تحقیقات شروع ہوئی۔

ایک لڑکا جو میرا دوست تھا۔ جب جرح کے لئے ہیڈ ماسٹر کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ ننگے سروں کا نظارہ یاد کر کے بے ساختہ ہنس پڑا۔ بس پھر کیا تھا ہیڈ ماسٹر نے اُسے لٹانے کا حکم دیا۔ اب بیدوں کی جھڑی شروع ہو گئی۔ اپنے دوست کو پٹتا ہوا دیکھ کر میں آگے بڑھا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ یہ لڑکا بے گناہ ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے حیرت سے پوچھا کہ تم کس طرح جانتے ہو؟ میں نے جواب دیا۔ کیونکہ بوقت نماز میں اس کے پاس ہی تھا۔ اور میں اسکو اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا کہ یہ یہی کہ جب لڑکے یکساں ہنستے تھے نہیں یہ جھوٹ کہتا ہے۔ وہ لڑکا اس کے پاس نہیں تھا۔ اس طرح میرے بیان کی کافی تردید ہو گئی۔ اس پر ہیڈ ماسٹر نے دو چپراسیوں کو حکم دیا۔ کہ مجھے لٹا کر میری ٹانگیں مضبوط پکڑے رکھیں۔ پھر اس نے میرے پاؤں کے تلوؤں پر بیس بید مارے۔ اور میں چند دن تک لنگڑاتا رہا۔ یہ پہلی مار تھی جو میں نے سکول میں کھائی۔

اگر میں اس طریق کا جو ہمارے یہاں سکولوں میں دیجاتی ہے۔ کچھ ذکر کروں تو یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اس قسم کی سزا ابھی تک ہمارے صوبہ میں بعض ماسٹر دیتے ہیں۔ قدیم طرز کے سکولوں میں دو قسمیں ہیں۔ ایک لڑکوں کے لئے دوسری لڑکیوں کے لئے۔ لڑکیوں کو ہتھیلی پر مارا جاتا ہے۔ ہر ایک سکول میں ایک آلہ ہوتا تھا جسکو فلاکا کہتے تھے۔ فلاکا ایک لمبی یا ایک چھڑی کی صورت میں ہوتا تھا۔ اور ایک پھندا اُس کے ساتھ بندھا ہوتا تھا جس لڑکی کو سزا دینی مطلوب ہوتی اُسکی دونوں کلائیاں پھندے میں کس دیجاتی تھیں۔ اور ایک شخص چھڑی کے دونوں سروں سے پکڑے رہتا پھر ماسٹر (اُسی زمانہ میں استانیاں دستیاب نہ ہوتی تھیں) ایک باریک بید سے سزا دیتا۔ پانچ اور دس کے درمیان بید لگائی جاتی تھیں۔ غفلت اور زیادہ [illegible] دیجاتی تھیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے۔ لڑکوں کو تلوؤں پر مارا جاتا جن کے بوٹ پاؤں میں ہی رہتے تھے۔ مگر اگر قصور سنگین ہو۔ تو موزے بھی اتروا کر ننگے تلوؤں پر مارا جاتا تھا۔

لڑکوں کو لٹا دیا جاتا تھا۔ اور دو آدمی ان کے پاؤں مضبوط پکڑے رہتے۔ اور ماسٹر ایک موٹی بید تلوؤں پر مارتا۔ اگر قصور زیادہ سنگین ہوتا تو بیس سے زیادہ بید لگائے جاتے۔ ورنہ بیس یا اس سے کم۔ بوٹ اور موزے زیادہ تر اس صورت

میں اُٹھوائے جاتے جب ماسٹر کو شک ہو جاتا۔ اگر لڑکے نے ضرب کے اثر کو خفیف کرنے کے لئے اندر کی طرف کوئی چیز رکھ لی ہے۔ اکثر لڑکے جن کو مار کھانے کا احتمال ہوتا تھا موزوں کے اندر رومال یا بھیڑ کی پوستین رکھ لیتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب پہلی دفعہ مجھے مار پڑی میں چیخا یا چلایا نہیں تھا کیونکہ ایسا کرنا بھی بزدلی کی علامت سمجھتا تھا۔ مگر ایک لڑکے نے جو میرے پاس بیٹھا تھا۔ کہا تم تو یار بڑے بیوقوف ہو۔ تم چلائے کیوں نہیں سکتے۔ میں تو جب سزا ملنے کا احتمال ہوتا ہے موزوں کے نیچے گفت دار چیز رکھ لیتا ہوں اور جب بید لگنی شروع ہوتی ہیں تو اُونچی اُونچی روتا ہوں۔ اور رحم کی التجا کرتا ہوں۔ اسطرح ماسٹر کم بید لگاتا ہے۔"

قدیم ابتدائی سکولوں میں لڑکوں کو جو سزا دی جاتی تھی۔ مجھے ماننا پڑتا ہے کہ وہ سخت وحشیانہ تھی۔ یہ سکول صرف ایک بڑے ہال (کمرہ) اور دو گیلریوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ چھوٹی گیلریوں پر ماسٹر بیٹھتا تھا۔ اور وہاں دو دو بائیں میں لڑکے اپنے پاس بلا کر اُن کو سبق پڑھاتا تھا۔ جماعتوں کے فریق نہیں ہوتے تھے بڑی گیلری میں لڑکیاں بیٹھتی تھیں۔ لڑکے ہال کے وسط میں بیٹھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے طالب علموں کے سامنے ذرا ذرا اونچی بنچیں (Benches) پڑی ہوتی تھیں۔ مگر وہ خود فرش پر بیٹھتے تھے۔ ہر ایک لڑکے اور لڑکی کے پاس بیٹھنے کے لئے اپنا بوریا یا بھیڑ کی کھال ہوتی تھی جس کے متحمل والدین ہوتے تھے۔

ماسٹر کے پاس دیوار پر ایک لمبا چابک لٹکا رہتا جس کا طول ہال کے مطابق ہوتا یا بہ الفاظ دیگر یہ چابک کمرے کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک پہنچتا تھا۔ جب ماسٹر کسی شاگرد کو شرارت کرتے یا سبق میں غفلت کرتے دیکھتا۔ تو اُسکو اپنے پاس بلانے کی تکلیف نہ کرتا۔ بلکہ اپنے چابک کو پکڑ لیتا۔ موٹا سرا اپنے ہاتھ میں رکھتا اور باریک سرے سے لڑکے کو مارتا عموماً سر، کندھوں یا پشت پر مارتے تھے بعض اوقات پسلیوں میں بھی چبھوتے تھے۔

میرے زمانہ تعلیم میں ابتدائی سکولوں میں یہ سزا عام تھی۔ اور ہمارے صوبہ کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی۔ بلکہ ساری سلطنت میں رائج تھی۔ مجھے یہ تو یاد نہیں رہا کہ آیا میں بھی اس لمبے چابک کا شکار ہوا ہوں یا نہیں۔ مگر جہاں تک میرا حافظہ کام دیتا

ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ ان سکولوں کے ماسٹر متعلمین کو نہیں مارتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ مبادا وہ ناراض ہو جائیں اور معقول فیس کی آمدنی ماری جائے۔ انگلستان میں طالبعلموں کو بیدوں سے مارنا ظلم سمجھا جاتا ہے۔ مگر ٹرکی میں صورت حال بالکل برعکس ہے۔ وہاں عام خیال ہے کہ اُستاد کی سزا رحمت الٰہی ہے۔ یا بقول شیخ سعدی۔ ،، جور اُستاد بہ از مہر پدر ،، مطلب اس کا یہ ہے کہ سزا کو لوگ درست ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میں یہاں اس کے حسن و قبیح پر دلیلیں پیش کرنی نہیں چاہتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ برمحل اور مناسب سزا بے گناہوں کو درست اور غافلوں کو بیدار کرتی ہے اور شریر لڑکوں کو راہ راست پر لاتی ہے۔

تاہم مجکو اس میں کلام ہے کہ سزا کے ذریعہ سے ہم لڑکوں سے سبق یاد کرا سکتے ہیں۔ (یہاں یہ جتا دینا مناسب ہے کہ ٹرکی میں اب یورپین طرز کے سکول اور کالج ہیں۔ اور اُن میں مارنے کی سخت ممانعت ہے۔ جو صاحب اخبار وطن لاہور کا بغور مطالعہ فرماتے ہیں۔ اُن سے یہ امر مخفی نہیں ہوگا۔ کہ چند ماہ ہوئے۔ وزیر سررشتہ تعلیم نے ایک تاکیدی سرکلر جاری کر کے مارنے کی رسم کو بالکل بند کرنے پر زور دیا تھا۔ نیز دھمکی دی تھی کہ اگر کوئی ماسٹر آئندہ لڑکوں کو مارے گا تو موقوفی کے علاوہ جوڈیشل سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ مصنف نے اس امر سے متعلق کوئی بھی ذکر نہیں کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ وہ موجودہ عثمانیہ سلطان کی نیک باتوں کو نظر انداز کر کے اُن باتوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرے گا جو اُسکے زعم میں بری ہیں۔ خدا ایسے دشمنان ملک و ملت کے اثر بد سے قوم کو محفوظ رکھے۔ (مترجم)

موسم گرما کی آمد آمد تھی کہ یہ خیال کیا گیا کہ میں اپنے شہر کے سکول میں کافی تعلیم حاصل کر چکا ہوں۔ اسوقت میں چودہ سال کی عمر کا تھا۔ میری ماں اُس دن کا انتظار کر رہی تھی کہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے قسطنطنیہ جاؤں۔ جب موسم گرما شروع ہو گیا۔ میں نے سکول کو چھوڑ دیا اور ہم اپنے موسم گرما بسر کرنے کے لئے اپنے دیہاتی مکان کیطرف چلے گئے۔ انگورا ایشیائے کوچک میں اپنے لذیذ اور مزیدار پھلوں کے لئے مشہور ہے۔ انگورا کے ہر خاندان کے پاس شہر سے چند میل باہر اپنے باغات ہیں۔ اور اُن باغوں میں بہتوں نے گرما کے مکان تیار کئے ہیں لیکن

ندیاں مختلف اطراف سے آکر شہر کے نیچے آپس میں مل جاتی ہیں۔ اور جن وادیوں میں سے گذر کر آتی ہیں۔ وہ پھلدار درختوں اور انگوروں کی بیلوں سے روضۂ رضواں کا سین پیش نظر کرتی ہیں۔ ماہ مئی کے آغاز پر لوگ اپنا مال واسباب اور خانگی اشیا شہر کے مکانوں سے چھکڑوں پر لاد کر ان گرمائی مکانوں کیطرف لیجاتے ہیں۔ وہ ان مکانوں میں موسم خزاں کے پھلوں کے پکنے تک پانچ یا چھ ماہ رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے دن رات باغوں میں رہتے ہیں۔ مگر اکثر مرد اپنے کاروبار کے لئے پو پھوٹنے سے پہلے شہر میں جاتے ہیں۔ اور دن ڈھلنے پر جب خنکی ہو جاتی ہے واپس آجاتے ہیں۔ دوپہر کے وقت سوائے جفاکش دہقانوں کے کوئی شخص باہر چل پھر نہیں سکتا۔ چونکہ گرمیوں میں گرمی بھی ایسی شدت سے پڑتی ہے جیسی کہ سردیوں میں سردی کڑاکے کی پڑتی ہے۔ سفر عموماً گھوڑوں، خچروں اور گدھوں پر کیا جاتا ہے۔

موسم گرما کے آغاز پر جب ہم شہر سے روانہ ہونے لگتے۔ تو میں بھی دوسرے بچوں کیطرح بکمال خوش ہوتا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ نہ تھی کہ شہری زندگی کو ناپسند کرتا تھا بلکہ بڑی وجہ یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات اور ظالم ماسٹر سے مخلصی ملتی تھی۔

عام تفریحوں کے علاوہ جیسے کہ سواری۔ پیراکی۔ نشانہ بازی۔ ماہی گیری وغیرہ میں اپنے دل بہلاوے کے طریقے پیدا کر لیتا تھا۔ اور یہ انگریز لڑکوں میں بھی مفقود نہیں ہے اور وہ یہ تھا۔ کہ میں ہمسایوں کے باغوں میں نہایت دلیری سے گھس جاتا اور پھل چرا کر لے آتا۔ میری ماں اس بات سے سخت رنجیدہ اور متردد ہوتی۔ میں پھل کھانے کے لئے نہیں چراتا تھا بلکہ بطور تفریح ایسا کرتا تھا۔ (اجی ہاں آپ شروع سے ہی پہلے مافن ہیں۔ پہلے باپ کو مروایا پھر جاگیر ضبط کرائی۔ پھر ماں کو ستایا۔ پھر ماسٹروں کا ناک میں دم کیا۔ ہمسایوں کی چوری کی۔ اور چڑیوں کی موت گنواروں کی ہنسی کہکر دل کو بہلایا۔ جوں جوں بڑھتے گئے شرارتیں بھی زیادہ ہوتی گئیں۔ آخر نوبت بہ اینجا رسید کہ اپنے ہی ملک و قوم کو چھوڑ کر انگلستان آن بیٹھے۔ داد صاحب ڈھٹائی ہو تو ایسی مترجم)۔ کیونکہ ہمارا اپنا باغ سب سے بہتر تھا۔ اور رشک گاہ تھا۔ ہمسائے اسے دیکھکر آرزو کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی ایسا باغ ہو۔

متذکرہ بالا موسم گرما میں میں نے کئی شرارتیں کیں۔ مگر سزا ایک کی بھی نہ پائی۔ آخر

میں ایسے جرم کا مرتکب ہوا۔ جس کو میرے خاندان کے لوگ نظر انداز نہ کرتے۔ میں نے ایک بیجا محبت کی جو اپنی معشوقہ کو زور سے نہیں لا سکتا تھا۔ مدد کی۔ بہتر اس کے کہ میں اس واقعہ کا ذکر کروں۔ یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلاف قانون یا بھگا کر لیجا کر شادی کرنا ترکوں کی ایجاد نہیں۔ اس رسم کو کاکیشی مہاجرین نے ایشیائے کوچک میں رائج کیا تھا۔ اور سرکیشیا نسل کے لوگ بھی گاہ گاہ ایسا کرتے تھے۔ کیشیا والوں کی تقریباً سب شادیاں اسی طرح پر ہوتی ہیں۔ کہ لڑکی چرا کر لیجاتے ہیں اُن میں دستور ہے۔ کہ مرد دولہن کو اٹھا کر لیجاتا ہے۔ اور اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اوس کے خاندان کے آدمی یا لڑکی والے اس بات پر رضامند بھی ہیں یا نہیں۔ اس فعل سے وہ اپنی بہادری ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر لڑکی والے اوسکو مناسب سمجھ لیں۔ تو معاملہ صلح و صفائی سے طے ہو جاتا ہے۔ وگرنہ عزت و آبرو کا معاملہ آپڑتا ہے۔ خوب جوتی پیزار ہوتی ہے۔ اور اکثر نوبت بہ خون و خرابہ پہونچتی ہے ہمارے لوگ اس رسم کو سخت حقارت اور خطرہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور مندرجہ بالا معاملہ میں میری شمولیت کو ہر شخص نے سخت بدچلنی پر محمول کیا۔

جس مہم میں میں نے حصہ لیا۔ اُس میں لڑکی والے اُسکو واپس لینے کے لئے لڑائی کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ کیونکہ عاشق کے خاندان میں مرد زیادہ تھے۔ اور ویسے بھی اوس کے دوستوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ اور عدالت میں چارہ جوئی کرنا انہوں نے فضول سمجھا۔ کیونکہ تکلیف کے علاوہ بہت سے اخراجات کا زیر بار ہونا پڑتا تھا لڑکی والے دولہا کے خاندان سے زیادہ معزز نہ تھے۔ مگر باوجود اس بات کے اونہوں نے باضابطہ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لڑکی کی ماں سرکیشینی تھی اور میرا خیال ہے اُس میں اپنی قوم کی خو بو ضرور تھی۔ وہ اپنے عاشق سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ پس اُس نے اُسے کہلا بھیجا کہ میں فلاں مکان کے پاس فلاں باغ میں اُس وقت موجود ہونگی"۔ اس مہم میں تین آدمی شامل تھے۔ عاشق اور ایک اور گرانڈیل جوان جو سرکیشین الاصل تھا۔ اور باد رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور لڑکی کو اوٹھا کر لیجانا اوس کے سپرد تھا۔ ہم اپنے پڑوس سے رات کے وقت روانہ ہوئے۔ اور بڑی سڑک پر ڈیڑھ گھنٹہ کی سواری کے بعد لڑکی کے خاندان

کے مکانوں کے پاس پہنچ کر ایک طرف ہو گئے۔ ہم نے اپنے گھوڑے درختوں سے باندھے۔ اور جب ہم گھنے پھلدار درختوں کے نیچے جلدی جلدی گھسٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم نے دیکھا۔ کہ کوئی شخص سفید لبادہ اوڑھے آ رہا ہے۔ یہ لڑکی ہی تھی۔ حالانکہ گرمی کا موسم تھا۔ مگر وہ کانپ رہی تھی۔ جب ہم اس کے پاس پہنچے۔ اس گرانڈیل جوان نے اس کو اٹھا لیا۔ عاشق نے میری طرف عجیب مجنونانہ نظر سے دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ خوشی اور فکر سے مبہوت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہم اس جگہ آئے جہاں گھوڑے باندھے ہوئے تھے۔ تو گرفتار دلہن سرکیشن کے گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اور اس جوان کے کمر بند خوب مضبوطی سے پکڑ لئے۔ جب ہم بڑی سڑک پر پہنچے۔ تو ہم نے گھوڑوں کی رفتار معمولی کر دی۔ کیونکہ عریاں پیٹھ گھوڑے پر وہ لڑکی آرام سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ میں اور دگھاہا بار بار مڑ کر دیکھ لیتے تھے۔ کہ مبادا کوئی ہمارے تعاقب میں آیا ہو۔ میں ایک پستول اور مضبوط سونٹے سے جس کے سروں پر کنڈے لگے ہوئے تھے مسلح تھا۔ ہم دلہن کو دگھاہا کے گھر میں لائے۔ جہاں اس کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا گیا۔ اور جہاں اگلے دن اس کی باضابطہ شادی کی گئی۔

میری شمولیت کی خبر سن کر میری ماں کو سخت رنج پہنچا۔ تاہم میرا خیال تھا کہ میں بالکل حق بجانب ہوں۔ اور یہ کہ ایک مصیبت زدہ آدمی کو شادی کے معاملہ میں مدد دینے سے نیکی کا کام کیا ہے۔ اس سال کا موسم خزاں خاصے پر آرام تھا۔ اور ہم شہر کی طرف واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میرا چچا جو [illegible] کی طرف سے قسطنطنیہ کی چند روزہ عثمانی پارلیمنٹ میں [illegible] ہو گیا تھا۔ اسی وقت واپس آگیا۔ چونکہ موجودہ سلطان نے پارلیمنٹ کو غیر محدود مدت کے لئے توڑ دیا تھا۔ چونکہ ملک میں آپ کے دل و دماغ کے [illegible] وہ تھے سلطان مجبور تھا کہ پارلیمنٹ کو توڑ دے۔ ورنہ سلطنت کی تباہی عام ہو جاتی ہے کہ۔۔۔ بدست چناں افتاد۔

یہ اس حالی تبار سلطان کا ہی ظلم ہے۔ کہ سلطنت کے شکستہ اور ڈگمگاتے جہاز کو عافیت کے کنارے سے پرے لے آیا ہے۔ اور اب اس کی فکر کر رہا ہے۔ مگر آپ جیسے حضرات خندہ زن ہو رہے ہیں۔ خدا رحم کرے۔ پس میرے چچا کا ارادہ تھا۔ کہ کچھ عرصہ انگورا میں سکونت رکھے۔ میری چال چلن کی نسبت سن کر اس نے

میری ماں کو کہا کہ اسکا اسباب میرے گھر بھیجدو۔ یہ میرے لڑکوں بالوں میں ہی رہے گا۔ اور میں ہی اس کی تعلیم کا بندوبست کروں گا" میری ماں جسکو میری ناہنجاریوں اور بدکرداریوں سے سخت رنج پہونچا ہوا تھا۔ میرے اسباب کو اپنے گھر سے جاتا دیکھکر خوش ہونے کی بجائے سخت آزردہ خاطر ہوئی۔ جیسا کہ میں پہلے ہی اشارہ کر آیا ہوں میرا چچا ہمارے خاندان میں پہلا آدمی تھا۔ جو ملازمت سرکاری میں داخل ہوا۔ وہ حلب۔ دمشق۔ قاہرہ۔ مدینہ اور مکہ اور کئی دیگر امصار کی مذہبی عدالتوں کا چالیس سال تک جج رہکر عارضی طور پر مستقل ہوگیا تھا۔

اگرچہ وہ پہلے درجہ کا ایماندار۔ صابر۔ قانع اور زاہد تھا۔ تاہم قسطنطنیہ کے اعلے سرکاری طبقہ کا اس پر بھی اثر پڑ گیا۔ یعنی وہ بھی کثیر الازدواجی کا شکار ہو گیا جب میں اس کے گھر گیا۔ اسکی تین بیویاں تھیں۔ جو اپنے بیشمار بال بچوں اور لونڈیوں کے سمیت اس کے حرم میں اکٹھی رہتی تھیں۔ اسکی تمام بیویاں سرکیشینی تھیں اس نے ان کو مختلف اوقات میں خریدا اور شادی کی۔ مگر دوسرے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کے برخلاف اس نے اپنی ساری بیویوں کو ایک ہی مکان میں رکھا۔

یہ ایک حیرت انگیز اور خلاف معمول بات تھی۔ کہ وہ سب کی سب اسکی اطاعت اور فرمانبرداری میں ایک دوسرے سے بڑھکر تھیں۔ اور اگرچہ میرا چچا طبیعت کا سخت تھا۔ مگر ان سے نہایت اعلے برتاؤ کرتا تھا۔ ممکن ہے۔ وہ ایک دوسرے سے حسد کرتی ہوں۔ مگر بظاہر ایک دوسرے سے ملی جلی رہتی تھیں۔ اور آپس میں ادب کرتی تھیں ان کے بچے ایک دوسرے سے بظاہر عداوت کرتے تھے۔ ان تین سرکیشین بیویوں سے پہلے میرے چچا کی ایک اور بیوی تھی۔ اور جب تک وہ قید حیات میں رہی۔ اس کو دوسری شادی کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ ایک معزز خاندان کی لڑکی تھی۔

میں اپنے کثیر الازدواج چچا کے حرم میں دو سال تک رہا۔ ہمارے اور اس کے گھر کی خانگی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسکی بیویوں کے بچے ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ اس کے نوکر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے کو گھورتے تھے۔ ہر ایک بیوی اپنے ہی کمرہ کی آرائش اور اپنے بچوں کا فکر کرتی۔ بجنسہ

اُن میں سے کسی کے ساتھ بھی اُنس نہ تھا۔ اور میں سخت اُداس رہتا تھا۔ لڑکے اکثر آپس میں لڑا جھگڑا بھی کرتے ہیں۔ جب میں جھگڑتا تو وہ سب ایک طرف ہو جاتے اور اُن کی مائیں اُن کو دلاسا دیتیں۔ اس بات سے میں اندر ہی اندر جل بھُن کر کباب ہو جاتا تھا میرا چچا اگرچہ مجھے اپنے فرزندوں کیطرح رکھتا۔ مگر تھا بڑا سخت۔ وہ مجھے ایک پل بھی آرام نہ کرنے دیتا۔ میری اگلی تفریحیں اور شوق سب خاک میں مل گئے۔ یا تو ہم سبق یاد کرتے رہتے یا نمازوں میں مصروف رہتے۔ میرا چچا پانچ وقت کی نماز خود بڑے کمرے میں پڑھ لیا کرتا تھا۔ صبح کی نماز جو سورج نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے پڑھی جاتی ہے۔ دوسروں کی نسبت میرے لئے سخت موجب تکلیف تھی۔ ہر روز میرا چچا حرم اور مردانے میں خوابگاہ کی زنجیر کھٹکھٹاتا۔ اور ہر ایک خورد کو نماز پڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ سردی کے موسم میں وضو کرنے سے بھی گڑگڑایا کرتا۔ اور شکایت کیا کرتا۔ بے شمار لڑکوں۔ لڑکیوں نوکروں میں سے اگر کوئی سخت عذر بیماری کے سوا نماز میں شامل نہ ہوتا۔ تو میرا سخت گیر چچا چابکوں سے خبر لیتا۔

چند بار اوس کے لڑکوں کیطرح مجھے بھی نماز پڑھنے کے جرم میں سزا دی گئی اس کے گھر میں سخت اُداس رہنے کی وجہ سے میں نے تمباکو نوشی کا استعمال خفیہ طور پر شروع کر دیا۔ ہمارے ملک میں بچوں کو تمباکو نوشی سے سختی کے ساتھ روکا جاتا ہے۔ میرا ایک چچازاد بھائی۔ جو مجھ سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ اُس نے ایک دن مجھے تمباکو پیتے دیکھ لیا اور آکر باپ کو کہا۔ کہ وہ طویلے میں سائیس کے ساتھ سگرٹ پی رہا ہے۔ اور سائیس اُس کے لئے سگرٹ کی ڈبی خرید کر اپنے پاس رکھے ہوئے ہے۔ میرے چچا نے دو تنومند نوکر میرے پکڑ لینے کے لئے بھیجے۔ وہ مجھے پکڑ کر اُس کے سامنے لے گئے اور اُس نے حکم دیا اس کے بوٹ اور موزے اوتار کر اسکی ٹانگیں اوپر کرو۔ پھر اُس نے میرے ننگے تلووں پر بیس بید لگائے۔ مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ میں کئی دن تک چیختا رہا۔ تاہم اُس سزا نے مجھے بڑا فائدہ دیا۔ کیونکہ اب سے دو سال پہلے تک پھر مینے کبھی سگرٹ کا استعمال نہ کیا۔

میرے چچا کے سخت احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اوس کے لڑکے اور مردانہ میں نماز عشا تک پڑھتے اور لکھتے رہیں۔ اور نماز پڑھے بغیر اپنے بستر

پر نہ جائیں۔ مجھے حرم میں رہتے چند ماہ گذرے تھے کہ ایک رات جب میں سونے کے لئے جا رہا تھا میرے چچا نے مجکو روک لیا اور حسب معمول متانت اور سنجیدگی سے کہا "کیونکہ اب تم سن بلوغت کو پہونچ گئے ہو۔ تمہیں اب پردہ کا خیال رکھنا چاہیئے" پردے کی رسم کے مطابق کوئی شخص اُس حرم میں نہیں رہ سکتا۔ جس میں کسی لڑکی کے ساتھ اُسکی نسبت قرار پائی ہو۔ پس میرے چچا کے بیٹے تو اندر چلے گئے اور مجھے مردانے میں چھوڑ گئے۔ جس کمرے کیطرف اشارہ کیا گیا۔ میں اُس میں گیا۔ اور دیکھا کہ میرا سارا اسباب اُس میں رکھا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری وہ رات سخت اوداسی و اندوہ سے گذری۔ میں اُس وقت پورے پندرہ برس کا نہ ہوا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ دوڑ کر اپنے گھر چلا جاؤں۔ اور اپنی ماں کے گلے لگ جاؤں۔ میرا خیال آتا تھا کہ یہ موہوم کوشش ہوگی۔ کیونکہ میں چچا کی نگرانی میں رکھا گیا ہوں۔ شاید یہ کہ وہ ہمارے خاندان میں زبردست آدمی ہے۔ اُسکی خواہش کوئی روک نہیں سکتا۔ اور ہمارے معاملات پر اوسکو پورا پورا اختیار ہے۔ اپنی حالت کو سخت مایوسی بخش پا کر میں اُس رات عرصہ تک روتا رہا۔ مجھے چچا کے حرم سے اس لئے جواب دیا گیا تھا۔ کہ میری ہمعمر دو لڑکیاں تھیں۔ اور چند شخصوں نے جن میں میری ماں بھی شامل تھی۔ اُن میں سے ایک کی میرے لئے تجویز کی تھی۔

اس وقت میں خود تو شادی کی برکات سے نا آشنا تھا۔ اور لڑکی بھی مجھے ذرا پسند نہ کرتی تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب جوان لڑکی اور لڑکے کو بیاہنے کی تجویز ہو۔ اور اُن کی نسبت میں قرار پا جائے تو اونکو ایک دوسرے سے جُدا رکھا جاتا ہے حالانکہ چاہیئے کہ اونکو ملنے کا موقعہ دیا جائے۔

اب جبکہ میں اپنے چچا کے حرم کا ذکر کر رہا ہوں۔ کثیر الازدواجی پر کچھ خامہ فرسائی کرنی بے محل نہ ہوگی۔ انگریزی زبان میں اسلامی کثیر الازدواجی سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر اُس میں صداقت کی بہت کم بو ہے۔ کیونکہ جو شخص خود مسلمان نہیں وہ اس رسم کے خواہ مخواہ اور بغیر سوچے سمجھے مخالف ہیں۔ ایک سے زیادہ بیوی کرنے کا دستور ترکی نہیں بلکہ اسلامی ہے۔ اسلامی قوموں میں ترک سب سے کم کثیر الازدواجی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے اُن افسروں کا جو کثیر الازدواج

ہیں۔ کھوج نکالو۔ تو تمہیں معلوم ہو جاوے گا۔ اول میں عثمانی نسل سے ہوں۔ بہت سی اسلامی کتابوں میں کثیر الازدواجی کے لئے کئی وجوہات دیئے گئے ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک وجہ جو تاریخی پہلو لئے ہوئے ہے پیش کرتا ہوں۔ حضرت محمد صلعم کے مبعوث ہونے سے پہلے کئی عرب قبائل عورتوں کی کثرت کو سد کرنے کے لئے لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے اس وحشیانہ رسم کو بند کیا۔ جب اسلام کا سنگ بنیاد قائم ہو گیا۔ تو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سخت جنگ برپا ہوئی۔ اور کئی آدمی تو اس کی گھاٹ اتر کر ملک عدم کو سدھارے۔ اسطرح بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور کئی بغیر شادی کے رہ گئیں۔ اس بات سے زنا کی کثرت ہو گئی۔ اور اسلامی قانون میں زنا سخت گناہ اور جرم قرار دیا گیا ہے۔ ایک ذی شعور اور بے تعصب عیسائی تسلیم کرے گا کہ حضرت محمد صلعم نے بنی نوع انسان کے لئے نہایت اعلیٰ اور منصفانہ اصول اور قانون بنائے ہیں۔ اور یہ مان لینا چاہیئے کہ آنجناب جیسے دانا محب خدا کثیر الازدواجی کی اجازت نہ دیتے۔ مگر ان زائد عورتوں کا ایسے زمانہ میں کیا کیا جا سکتا تھا بیکاروں کی خدمات پبلک کے قابل نہ تھیں۔ آں جناب زنا کی بری عادت کو کیس طرح روک سکتے تھے۔ وہ مجبور تھے کہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق کثیر الازدواجی کی اجازت دیدیتے۔ پس آنجناب نے ہر ایک شخص کو اسکی قابلیت، صحت، دولت کے مطابق دو۔ دو۔ تین۔ تین۔ اور چار چار بیویاں کرنے کی اجازت دیدی۔ بشرطیکہ وہ بیویوں میں انصاف کر سکیں۔ ایک اسلامی قانون ہے کہ زمانہ کے ساتھ قانون بھی بدل جانے چاہئیں۔ مگر کثیر الازدواجی کا قانون نہ بدلا۔ بعض متمول اور صاحب حیثیت آدمی ہمیشہ اس کی تائید میں رہے ہیں۔ جو بات مجھے سخت حیران کرتی ہے وہ کثیر الازدواجی سے متعلق یورپینوں کی نکتہ چینی ہے۔ کیا یورپ کے بہت سے آدمی ایک جائز بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں سے منہ کالا نہیں کرتے؟ یہ یارانے کی رسم کثیر الازدواجی سے بھی کہیں بدتر ہے۔

زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں اولاد کے حقوق تو تلف نہیں ہوتے۔ اور نہ عورتوں کے استحقاق میں فرق آتا ہے۔ مگر اس رسم یارانے سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ سخت مصیبت میں مبتلا رہتی ہے۔ اور وہ عورتیں جو حرام کراتی ہیں

آخر بازار میں بیٹھتی ہیں۔ اور عصمت کو پر کودمہ کے آگے بیچتی ہیں ؛

تیسرا باب

حرم اور مشرق میں مستورات کی پوزیشن

لفظ حرم کے معنی۔ ایشیاء میں گھروں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ صرف خاندان کے مرد ممبروں کو زنانے میں جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ ذی عزت اشخاص میں پردہ اور بھی سخت ہے۔ پردہ صرف مذہب اسلام ہی کی بدولت ہے۔ حرم کی زندگی۔ اس کے مکینوں کا کام کاج۔ انگلستان میں اس سسٹم کے متعلق غلط فہمی۔ شاہی حرم۔ اس رسم کے معدوم ہونے کا احتمال۔ سرکشیں عورتیں۔ بیوی ہونے کی حیثیت میں اُنکی قدر و قیمت کے وجوہات۔ ایک عورت کی نسبت کس طرح قرار پاتی ہے۔ شادی کی بعض رسومات۔ شادی میں اتنی مذہبی شان نہیں جتنی کہ سِول۔ دولہا۔ اس کے بے تکلف دوست۔ حرم میں دوکانداری۔ عورت دوکاندار۔ بعض یورپین دوکاندار تجارت۔ تعلیم۔

انگلستان میں حرم سے متعلق بہت سے لوگوں کے خیالات مشرقی کثیر الازدواجی کی سُنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ اس باب میں میں اُن غلط خیالات کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حرم اور اُس کے مکینوں کے مضمون پر ٹھیک ٹھیک حالات قلمبند کروں گا۔ اور ساتھ ہی ٹرکی میں مستورات کی عام حالت پر بحث کرونگا۔

اگرچہ مغربی یورپ کے لوگ لفظ حرم کو جانتے اور اُس کا استعمال کرتے ہیں۔ تاہم باستثناء چند کوئی شخص اُس کے اصل مطلب کو نہیں سمجھتا۔ اور امر واقعی تو یوں ہے کہ جس طرح ایشیائی لوگوں کے دلوں میں بعض یورپین رسم و رواج کے برخلاف تعصبات بھرے ہیں۔ اُسی طرح اہل مغرب میں اہل مشرق کی نسبت بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں جب ایک انگریز لفظ حرم کا استعمال کرتا ہے۔ تو اس سے اس کا مطلب ایک ایسی مکان

سے ہوتا ہے جس میں بہت سی عورتیں بند کر رکھی ہوں۔ مزید براں اسکو اس بات کا یقین ہو چکا ہے۔ کہ مشرق کے عالم اسلام میں ہر ایک شخص جتنی بیویاں چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا یہ یقین نہ صرف غلط بلکہ بے بنیاد ہے۔ ہزارہا آدمی ایسے ہیں جو ایک ہی بیوی کے مل جانے پر ہزار ہزار شکر کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ازبس خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ اور ہزارہا ایسی ہیں کہ ایک بیوی سے ہی مخلصی پانے کو اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ کہ الٰہی اس بلا سے بچا۔ زیادہ بیویوں کا ذکر چھوڑ دو۔ اگر کوئی شخص دو بیویاں ہی رکھنے کا بندولبست کر سکے۔ اور اُن کی ضروریات بہم پہنچائے۔ تو مان لو۔ وہ بڑا بہادر ہے جسطرح سارے مرد ظالم نہیں۔ اسی طرح ساری عورتیں صرف مذہب کی ہی بدولت مطیع ورام نہیں۔ مذہب قانون اور ملک کے رسم ورواج مردوں پر عورتوں کی بہت سی ذمہ داریاں عاید کرتے ہیں۔ ایک ایماندار شخص کو اپنے فرائض ادا کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اور ایسے اشخاص بہت ہی کم ہیں۔ جو ایک سے زیادہ بیویوں کے حقوق پورا کرنے کے قابل ہیں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے بہت سے حصوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ نہیں۔ اور یہ ایک ہی واقعہ انگریزوں کے اس عام فضول خیال کی کہ ٹرکی میں ایک مرد بہت سی بیویاں کرتا ہے۔ کافی سے بڑھ کر تردید کرتا ہے۔

اصل بات تو یوں ہے کہ اُس ملک میں کثیر الازدواجی کے برخلاف کوئی قانون نہیں۔ لیکن لائق اور عالم اشخاص اس رسم کے سخت مخالف ہیں۔ ایک شخص جو کسی معزز گھرانے کی لڑکی بیاہ کر لائے۔ اپنے گھر میں دوسری بیوی کا لانا جوئے شیر کے لانے سے کم نہ پائے گا۔ ٹرکی میں فی زمانہ بہت سے ایسے اشخاص ہیں۔ جو مغربی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ اور اپنی زندگی کی مسافت میں ایک غمخوار و دمساز رفیق ہمسفر بنانے کی غرض سے شادی کرتے ہیں۔ اور اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ کہ دوسری بیوی کرنا زندگی کو وبال جان بنانا ہے۔ میں یہ تو بتا چکا ہوں کہ یہ خیال محض غلط اور فضول ہے کہ حرم اُس گھر کو کہتے ہیں۔ جہاں بیویوں کا جمگھٹا ہو۔ اب یہ بتاتا ہوں کہ حرم اصل میں ہے کیا چیز؟۔

اُن اسلامی ممالک میں جہاں پردہ کی رسم اچھی طرح قایم ہو چکی ہے۔ گھر دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ ٹرکی میں گھر کا وہ حصہ جس میں مستورات رہتی ہیں۔ حرم کہلاتا ہے

اور جس حصہ میں مرد رہتے ہیں۔ اس کو سلاملیق کہتے ہیں۔ اگرچہ گھر کی تمام مستورات کو بھی بہ ہیئت مجموعی حرم کہتے ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمام مستورات مالک خانہ کی بیویاں ہیں۔ ایک شخص کی بیوی۔ اُسکی ماں۔ اُسکی بہن۔ اُسکی لڑکی۔ اور دیگر قریبی عورتیں۔ اس کے سامنے بے نقاب ہو سکتی ہیں۔ اور اُن تمام کو ملا کر حرم کہہ سکتے ہیں۔ کنبہ کے مرد ممبر۔ جیسے کہ مالک خانہ کے بیٹے اسکا باپ اُس کا خسر۔ اس کا خسرپورہ وغیرہ گھر کے مالک کہلاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں۔ جیسے کہ قسطنطنیہ۔ سمرنا۔ اڈنا یا نوحیل وغیرہ اعلےٰ طبقہ کے لوگ دور کے رشتہ داروں کو بھی حرم میں داخل ہونے کی اجازت دیدیتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے یورپین فیشن اختیار کر لیا ہے۔ اپنے بے تکلف دوستوں کو حرم میں لے آتے ہیں۔ مگر اون خاندانوں میں جو پُرانی روش پر قائم ہیں اور جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ مالک خانہ کے مرد لواحقوں کو جب وہ تیرہ چودہ برس کی عمر کے ہو جائیں۔ اور حرم کی کسی لڑکی سے اُن کی سگائی ہو جائے یا ہونی ممکن ہو تو اُن کو زنانے میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ذی عزت خاندانوں میں اس رسم کی اور بھی سختی سے پابندی کیجاتی ہے۔ اون گھروں میں اگر حرم کے مکینوں سے مرد ممبروں کو کوئی بات کرنی ہو۔ یا کوئی چیز لینی دینی ہو تو سب کچھ اوٹ میں ہی کیا جاتا ہے زنانے اور مردانے حصے کے درمیان ایک دیوار حائل ہوتی ہے۔ اُس میں ایک بڑا سوراخ ہوتا ہے۔ اِس سوراخ کے ذریعہ ہی مطلب کی بات کر لی جاتی ہے۔ پردہ کو اور زیادہ محفوظ کرنے کے لئے کھڑکیوں پر چلمنیں ڈال دی جاتی ہیں۔ اس ذریعہ سے اندر کی رہنے والیاں باہر کا سب کچھ دیکھ سکتی ہیں۔ مگر باہر والے گلی۔ باغ۔ یا پاس کے مکان سے اندر کا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ جس طرح تیرہ چودہ برس سے زیادہ عمر والے لڑکوں کو سوائے اُن عورتوں کے جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ کسی عورت کے پاس جانے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اس عمر کے بعد لڑکیوں کو بھی سوائے نہایت قریبی لواحقوں کے مردوں میں آنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر وہ کسی ایسے سکول میں پڑھتی ہوں جن میں لڑکے لڑکیاں اکٹھی پڑھتی ہیں۔ تو اون کو اُس سکول سے اوٹھا لیا جاتا ہے اور اگر وہ پھر کسی سکول میں داخل کیجائیں تو اون کو نقاب اوڑھ کر اُن سکولوں میں جانا ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے۔ اُن کا نقاب اُس ملک کی عورتوں کے نقابوں جیسے

ڈھلکے اور باریک نہیں ہوتے۔ ایک عورت کو سر سے پاؤں تک ایک چادر میں اپنا جسم ڈھانپ کر باہر جانا ہوتا ہے۔

عورتوں میں پردہ کی رسم مذہب اسلام کی ہی بدولت نہیں ہے۔ رسول صلعم کے زمانہ میں اور آں جناب کے بعد دیر تک عورتیں سپاہیوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتی تھیں۔ اُن کے جوش کے بڑھانے کے لئے اونچی اور سُریلی سُر میں گاتی تھیں اور زخمیوں اور بیماروں کی خبر گیری اور تیمارداری کرتی تھیں۔ آج کل بھی خانہ بدوش عرب اور بیرکشینی ایسا فضول پردہ نہیں کرتے۔ حالانکہ مذہب میں وہ ترقی یافتہ عثمانیوں سے زیادہ پکے ہیں۔

میرے اُن ہموطنوں کے بقول جو اِن معاملات میں مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ عثمانی ترکوں نے پردہ کی رسم رومی عیسائیوں سے نقل کی تھی۔ اور میرا خیال ہے چونکہ زمانہ قدیم میں مردوں میں شہوانی اور شیطانی رقابت زور پر تھی۔ یہ مناسب سمجھا گیا کہ عورتیں گھر سے نکلتے دفعہ اپنا چہرہ اور جسم ڈھانپ لیا کریں اندر گھر میں بھی پردہ رکھیں۔

ترکی حرموں میں زندگی نہایت سادگی سے بسر کی جاتی ہے۔ اور اگر ہم چند ایسے حرموں کو جن میں زیادہ بیویاں ہیں نظر انداز کر دیں۔ تو کوئی شک نہیں۔ ان حرموں کی زندگی نہایت خوشی اور فارغ البالی سے کٹتی ہے۔

خاوند کے کلی اختیارات بیوی کے مسلمہ حقوق میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتے۔ بیویوں کی اطاعت اور فرماں برداری جس کو مغربی یورپ کی زیادہ ترقی یافتہ عورتیں بنظر حقارت دیکھتی ہیں۔ خاوند کو اُس کا شیدا و فریفتہ بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ اس ملک کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ بیویاں خاوندوں کی لونڈیاں نہیں ہوتیں۔ [illegible] ڈام فرانس کے ایک نامی اخبار نے مسلمان ترکی خواتین کے بارہ میں ایک مضمون کچھ عرصہ ہوا شائع کیا تھا۔ اوس کے خلاصہ ناظرین کی دلچسپی و آگاہی کے لئے یہاں درج کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ وہ ارقام کرتا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وسط ایشیا میں رہنے والے ترک اپنی عورتوں کو مردوں کے مساوی رتبہ میں سمجھتے تھے۔ انہیں ہر طرح کے حقوق حاصل تھے۔ وہ خاندان میں ایک قابل قدر جزو سمجھی جاتی تھیں اور

بیاہی ہوئی عورت عزّت و مرتبہ میں شوہر سے کم حصّہ نہیں رکھتی تھی۔ پھر جب عورت کی عمر زیادہ ہو جاتی تو اوسکا اعتبار اور وقار خاندان میں بہت بڑھ جاتا سب لوگ اُس کے حکم کی اطاعت کرتے۔ اور وہ بڑے آرام و عزت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ اس کے آگے مضمون نگار نے عربی عورتوں کی اس قابل تاسف حالت کا خاکہ کھینچا ہے۔ جس کے اندر وہ زمانہ جاہلیت میں گرفتار تھیں۔ پھر نور اسلام کی اشاعت ہونے پر اُن کے حقوق کی مساوات اور عورتوں کی خصوصیتوں اور انکی ترقیوں کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ "اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کئے ہیں ویسے حقوق دُنیا کے کسی قوم و مذہب نے عورتوں کے لئے نہیں رکھے" اس کے بعد مضمون نگار نے پھر ترکی خواتین کا ذکر شروع کیا ہے۔ اور یوں لکھتا ہے۔

اہل یورپ نے مسلمان ترکی خواتین کی بابت کہنے کو تو بہت کچھ لکھا ہے لیکن اسطرح پر کہ خود اُن کو ذاتی علم ہرگز نہ تھا۔ سُنی سُنائی باتوں پر اعتبار کر لیا۔ اور ایسی رائے قائم کر کے جو چاہا لکھ مارا۔ اس لئے اُن سے نہایت غلط بیانی سرزد ہوئی ہے پھر اُس نے نہایت وضاحت کے ساتھ اسلامی گھروں کی حالت اُن کے زنانہ اور مردانہ جلسے اور اسلامی طرز معاشرت۔ کنبے کے لوگوں کا باہمی میل جول۔ ان سب باتوں سے بحث کر کے آخر میں ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان خاتون، مذہبی تعلیمات کے ذریعہ سے جیسے بیش بہا فوائد حاصل کر سکتی ہے۔ وہ یورپ کے کسی عورت کو ہرگز نہیں نصیب ہو سکتے۔ آگے چلکر لکھتا ہے "ترکی خاتونوں میں۔ مدتوں سے تعلیم کا شوق اور چرچا چلا آتا ہے۔ اور اسوقت تو یہ حالت ہے کہ غریب سے غریب ترک کی لڑکی بھی ابتدائی۔ یا سندی یا عالیہ سکولوں میں تعلیم پا رہی ہے۔ ان سکولوں میں ہر قسم کے ضروری علوم کا مناسب انتظام رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اُنکی خوش خیالی اور دماغی ترقی کا ثبوت بے شمار ترکی خواتین کا ذخیرہ تصنیف اور ایک اخبار ہے۔ جس کا تمام ایڈیٹر تعلیم یافتہ ترکی خواتین ہی کی قلم سے ظاہر ہوتا ہے۔ فاطمہ علیہ خانم۔ نگار خانم۔ اور حمیدہ خانم وغیرہ بہت سی مشہور خاتونیں اسوقت تصنیف اور تالیف کرنے میں مصروف ہیں۔ اور سلطان الغازی عبدالحمید خاں دام ملکہ کے وقت میں تعلیم نسواں کی اور بھی ترقی ہوئی ہے۔ ماخوذ از بیروت۔ مترجم

مستورات اکثر حرم کے اندر رہتی ہیں۔ مگر یہ نہیں کہ ہمیشہ اندر ہی گھٹی رہتی ہیں۔ وہ دو دو تین تین یا زیادہ تعداد میں دوسرے حرموں میں بغرض ملاقات جاتی ہیں۔ اور اسی طرح اپنے حرم میں دوسروں سے ملاقات کرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں ان کی مجلسوں میں مرد شامل نہیں ہوتے۔ مگر دوسرے ممالک کی عورتوں کی طرح وہ آپس میں مل کر گاتی ہیں۔ اور کھیلتی ہیں۔ ابھی ابھی ناچنے کی رسم بھی جاری ہو گئی ہے مگر یہ اعلیٰ طبقہ تک محدود ہے۔ پرانے خیالات کے آدمی نوجوان عورتوں کے دوسری عورتوں کے سامنے ناچنے کو بڑا معیوب خیال کرتے ہیں۔ بیاہ شادیوں کے موقعوں پر اکثر طوائفیں آکر ناچتی ہیں۔ مگر ان کو شریف نہیں سمجھا جاتا۔ میرے لڑکپن کے زمانہ میں حرم میں اونچے اونچے پڑھنے کا چرچا تھا۔ اس وقت اب کی نسبت تعلیم یافتہ خاتونیں بہت ہی کم تھیں۔ اس وقت سب سے زیادہ پڑھی ہوئی خاتون دوسری عورتوں کو مذہبی قصص وغیرہ سنایا کرتی اور وہ بڑے غور سے سنا کرتیں گھنٹوں تک یہی شغل رہتا۔ آج تک بھی صوبوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور یہ بات عورتوں کی تفریح کا بڑا سامان ہے۔

ترکی مستورات کے فرائض ان کی سوشل پوزیشن کے مطابق مختلف مختلف ہیں صوبجات میں دہقانوں کی عورتوں کو اپنے خانگی کاروبار کے علاوہ کھیتوں میں بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ اور جب ان کے بھائی یا خاوند فوجی خدمت ادا کرنے گئے ہوں۔ تو پھر تو سارا دارومدار ان پر ہی ہوتا ہے۔ معزز خاندانوں کی لڑکیاں گھر کے کام کاج کے علاوہ سینے پرونے اور زردوزی کے کام میں مصروف رہتی ہیں۔ اور اتنا کام کرتی ہیں کہ یورپ کی عورتیں کیا کریں گی۔ اعلیٰ عہدہ داروں کی لڑکیاں منجملہ دیگر فرائض کے اپنی استانیوں سے تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ میرے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جو اہل حرم کی زندگی سے متعلق خیالات اس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں وہ سراسر غلط اور فضول ہیں۔ ترکی حرموں میں خاتونیں اپنا وقت صوفوں اور گدیلوں پر لیٹ کر ضائع نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی مٹھائی کھانے اور شربت کی [illegible] میں برباد کرتی ہیں۔ البتہ وہ اس ملک کی لیڈیوں کی طرح مٹھائی کو بڑا اچھا سمجھتی ہیں۔ مگر دوسروں کے سامنے پلنگ پر لیٹنے کو ترک خاتونیں نہایت ہی معیوب

اور بُرا سمجھتی ہیں۔

اس ملک کے کتابوں میں جو کچھ حرم کی زندگی پر لکھا گیا ہے۔ یا جو کچھ اُسکی بابت تماشوں اور نمائشیوں میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اُن لوگوں کا کرتوت ہے جنہوں نے سُنی سُنائی باتوں پر باور کر کے ٹرکی سے متعلق اِدھر اُدھر کی باتیں لکھدیں اور کہہ دیتے ہیں۔ یا اُن حضرات کا کرشمہ ہے جنہوں نے نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سُنا۔ مگر بھولے بھالے انگریزوں سے روپیہ اینٹھنے کے لئے عجیب و غریب من گھڑت باتیں بنا کر پیش کر دیں۔

"تاہم پردہ سے متعلق بعض انگریز جو نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اس سے میں متفق ہوں کیونکہ جن بُرائیوں کے روکنے کے لئے یہ رسم جاری کی گئی تھی۔ اس میں تو کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ برخلاف اس کے اُلٹا نقصان ہوا ہے۔ کیونکہ عورتوں کو پردہ میں رکھنے سے قوم کا آدھا حصہ بالکل تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔ اگرچہ بعض نوجوان خاتونوں کو حرم میں پرائیویٹ طور پر تعلیم دیجاتی ہے اور اُن میں سے بعض اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ مگر اس محدُود تعلیم سے ٹرکی کی قومی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ میرے خیال میں مشرقی اقوام کے تنزل کی بڑی وجہ پردہ سسٹم ہے کیونکہ عورتیں بوجہ پردہ نشین ہونے کے دماغی ترقی سے محروم رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے بچوں کی تعلیم میں جیسا کہ چاہیئے انٹرسٹ نہیں لے سکتیں۔ ایسی ماؤں کے بیٹے ترقی و تہذیب کے میدان میں فرنگیوں کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ ٹرکی میں بہت سے آدمی ہیں جو ان باتوں کو کما حقہ طور پر سمجھتے ہیں۔ اور عورتوں کو کسی قدر آزادی دینا چاہتے ہیں۔ مگر مکمل آزادی بتدریج ملنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر عورتوں کو مردوں کیلئے موجودہ سوشل ضروریات کا خیال کئے بغیر آزادی دیدیجائے تو خود عورتیں بھی حیران ہوا کریں۔ اور اُن میں سے بہت سی اس آزادی کا استعمال شروع کر دیں گی۔ مزید براں بہت سے مرد بھی فوری سوشل انقلاب سے فائدہ اُٹھا کر مفسدانہ [illegible] کمربستہ ہو جائیں گے۔

مجھ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب عورتوں کو کسی قدر آزادی دینے کا خیال ملک میں جم چکا ہے۔ تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس کا جواب ٹرکی کی پولیٹیکل

حالت پر نظر ڈالنے سے خود مل سکتا ہے۔ وہ بدقسمت ملک چھبیس سال ایسے مظالم کا آماجگاہ بن رہا ہے جس کی نظیر نوعِ انسان کی تاریخ میں ملنی محال کیا دشوار ہے سلطان اُس اثر سے بخوبی واقف ہے۔ جو عورتیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے اُن پر اثر ڈال سکتی ہیں۔ اسواسطے سلطان اُن کی آزادی کو اور بھی ملیا میٹ کرتا ہے۔ ہائے کمبخت تیری عقل پر پتھر پڑ جائیں۔ الزام تو اُس سلطان پر لگتا ہے۔ جس نے اپنی سلطنت میں تعلیمِ نسواں کا سنگِ بنیاد رکھا۔ اور عورتوں کی حالت سنوارنے کے لئے بیش از بیش جدوجہد کی۔ اور آج خبیث عورتوں میں جس انقلاب کا ذکر تو نے اوپر کیا ہے۔ یہ کس کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ کیا تو نے یا تیرے باپ نے اپنے ملک کی بہنوں کے لئے کچھ بھی کیا ہے؟ یا کیا موجودہ سلطان سے پہلے عورتوں کی دماغی ترقی کا کسی کو خیال تک بھی گذرا تھا۔ موجودہ سلطان خدا اُن کو مدت مدید تک زندہ و سلامت رکھے۔ اپنی سلطنت میں عورتوں کو ملک و قوم کا قابلِ قدر حصہ بنانے کے لئے وہ کچھ کر رہے ہیں۔ اور ایسے ڈھنگ سے کر رہے ہیں کہ اُن کے سوا ایسے کوئی اور کر ہی نہیں سکتا ہاں وہ ایسی آزادی کے سخت مخالف ہیں۔ جو اسلام کے برخلاف ہو۔ اور جو عورتوں کو ایسی گئی گذری حالت میں کر دے۔ جس میں فی زمانہ یورپ کی بہت سی عورتیں مبتلا ہیں۔ اس شخص کے ہزیان کی تردید میرے اوپر کے نوٹ سے بخوبی ہوتی ہے۔ جو میں نے ایک عربی اخبار کے حوالے سے دیا ہے۔ مترجم) میں شاہی محلات کی حرموں سے متعلق زیادہ نہیں بتا سکتا۔ تاہم یہ امر روزِ روشن کی طرح معلوم ہے کہ شاہی حرم کی کھچا کھچ آبادی میں زندگی کا وہ لطف نہیں ہو سکتا جو پرائیویٹ جنٹلمینوں کی حرموں میں ہے۔ مگر میں یہ امر نہایت زور سے پبلک کے نوٹس میں لکھتا ہوں کہ حرم کی تمام رہنے والیاں محل کے خاوند کی بیویاں نہیں ہیں۔ کیونکہ محل کا انتظام اعلےٰ پیمانہ پر ہوتا ہے۔ عورت کو خدمتگاروں کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔ ایک سلطان یا شاہزادہ پرانے رواج کے مطابق اگر ایک سے زیادہ بیوی کرنا چاہے۔ تو وہ دو۔ تین۔ غایت درجہ چار بیویاں کر سکتا ہے۔ چار سے اوپر اجازت ہی نہیں۔ جلیل القدر عثمانی ترکوں کی بیویاں

اور محلات کی رہنے والیاں سب کی سب سرکیشنی ہیں۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سرکیشنی عورتیں کیوں اس قدر مرغوب ہیں۔ اور کیوں یہ کاکیشیا کی بیٹیاں ٹرکی کے فیملی سرکل کی رونق کا باعث ہوتی ہیں؟ میں ان عورتوں کا بالاجمال حال حوالہ قلم کرتا ہوں جس سے ان سوالوں کا جواب مل جائے گا۔

وہ بہادر تنومند اور خوبصورت پہاڑی لوگ جو کاکیشیا کے پُرفضا قطعات میں رہتے ہیں۔ اپنی خوبصورتی کے باعث مشہور آفاق ہیں۔ اور اُن کی عورتیں تو حسن کی پتلیاں ہیں۔ تاہم جن لوگوں نے اس قوم کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے وہ اس بات کے کہنے میں تامل کریں گے کہ بنی نوع انسان کی دوسری شاخوں سے اس شاخ کو خوبصورتی میں زیادہ حصہ ملا ہے۔ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی قوموں کے مقابلہ میں سرکیشین عورتوں کا بڑا وصف یہ ہے کہ اون کا چہرہ بارونق۔ جسم سڈول اور عادات پسندیدہ ہوتی ہیں۔ وہ اکثر چھریرا بدن ہوتی ہیں۔ خالص سرکیشنی عورتوں میں موٹی اور بھدی شاید ہی کوئی ہو۔ اُن کے چہرے عام طور پر من موہنی ہوتے ہیں۔ مگر جس بات نے اون کو زیادہ مرغوب بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مغربی ایشیا اور مصر کے لوگوں کا چہرا سانولا ہے۔ مگر اون کا سفید اور خوشنما ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں جو چیز ان کو سکھاؤ۔ فوراً سیکھ جاتی ہیں۔ اور نئی زندگی میں آناً فاناً ڈھل جاتی ہے۔ شروع میں اس کے اطوار بھدے اور ناتراشیدہ ہوتے ہیں مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حسن و سیرت کا مجسم نمونہ بن جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میری ایک مہربان متمول خاتون کو اُس کے رشتہ داروں نے ایک سرکیشین لڑکی بطور ہدیہ بھیجی۔ اُس لڑکی کو میں نے اُس وقت دیکھا۔ اگرچہ خوبصورت تھی۔ مگر اپنے دیس کے پھٹے پرانے کپڑے پہنے بالکل گنوار سی معلوم ہوتی تھی۔ چند سال گذرنے کے بعد مجھے پھر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تو کیا کہوں۔ میں نے اُس کو کیسا پایا۔ وہ ایک نور کا ٹکڑا تھی۔ کہ حوروں پہ آنکھ مارتی تھی۔ وہ ایک ہیرا تھی۔ کہ جلا پا کر ستارہ کو شرماتی تھی۔

سرکیشینی عموماً مسلمان ہیں۔ ان میں سے چند نے روسی مذہب اختیار کر لیا ہے

مگر وہ دل میں مسلمان ہیں۔ اپنے فاتحوں کے ڈر سے عیسائی مذہب ترک نہیں کرتے اسلام کیطرف اُن کے رجحان کیوجہ یا تو یہ ہے کہ وہ روسیوں سے سخت عداوت رکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے اُن کی قومی آزادی کو ملیامیٹ کیا۔ اور اُن کی خوشحالی کو کھاتے میں ڈالا۔ یا یہ کہ اسلامی اصول ان کی قدرتی حالت کے زیادہ مناسب اور موزوں ہیں۔

ایشیا کے مسلمان شاہی خاندانوں کے تمام ممبروں کی رگوں میں سرکیشینی خون حلول ہے۔ کئی نسلوں سے عثمانی سلطانوں کی مائیں سرکیشینی ہی آئی ہیں۔ گذشتہ صدیوں میں جب ترکی کے اقتدار اور عروج مشرقی یورپ پر اچھی طرح قائم تھا۔ اُس وقت سلطانوں کی بیویاں عموماً اُن عیسائی ریاستوں کی رہنے والی ہوتی تھیں۔ جو اُن کے زیر نگیں تھے۔ مصر کے ملوک حکمران خود اور اُن کی بیویاں سرکیشین تھیں۔ خدیو کے حرم کی مستورات ہمیشہ سرکیشین چلی آتی ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ اور بیان کیا جاتا ہے۔ ایران کے شاہ کجکلاہ کے محل میں بھی سرکیشینی بیگمات ہیں۔ کسی وقت نظام حیدرآباد بھی سرکیشینی عورت محل میں ڈالنے کا خواہشمند تھا۔ میں نے یہ بات ایک ایسے شخص سے سُنی ہے۔ جس کا نام ہندوستان میں اچھی طرح سے مشہور ہے۔ اور [illegible] "مسٹر اسحاق" کے نام سے جو ناول بنا ہے۔ اس نے انگریز ناظرین کو بھی اس سے شناسا کرا دیا ہے۔ یہ جنٹلمین دیار بکر کا باشندہ ہے۔ برٹش انڈیا میں تیس سال رہنے کے بعد چند سال ہوئے وہ قسطنطنیہ آیا۔ ایک دن اس نے مجھے کہا "کیا آپ مجھے مشورہ دے سکتے ہیں کہ میں کس طرح ایک یا دو سرکیشین لونڈیاں خرید سکتا ہوں مجھے ہز ہائینس نظام کے لئے اُن کی ضرورت ہے"

بہت سے انگریزوں کی طرح اس انگریزی فیشن جنٹلمین کا خیال تھا۔ کہ ابھی تک قسطنطنیہ میں غلاموں کی منڈی ہے۔ اور یہ کہ جو شخص چاہے وہاں جا کر جتنی لونڈیاں درکار ہوں خرید سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض بے خانماں قلاش مفلس والدین جو کاکیشیا سے ہجرت کر کے آتے ہیں۔ معقول رقم پر اپنی لڑکیاں فروخت کر دیتے ہیں۔ مگر اس بات کی ضمانت لے لیتے ہیں۔ کہ خریدار یا تو اُن کو اپنا متبنیٰ بنائے گا (کیونکہ ترکی میں بعض متمول اشخاص

جن کے ہاں لڑکیاں نہیں ہوتیں۔ یتیم اور غریب لڑکیوں کو اپنا متبنے لیتے ہیں) یا یہ کہ اون کو اپنے عقد میں لائیگا۔ یا اپنی کسی رشتہ دار سے بیاہ دیگا۔

جیسے روس نے کاکیشیا فتح کیا ہے۔ اُس وقت سے لے کر آجتک ہزارہا کاکیشئیر سلطان کی عملداری میں ہجرت کر آئے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا۔ اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ساٹھ ہزار کاکیشئین کے متعلق جو ٹرکی میں ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ روسی اور عثمانی گورنمنٹ میں نامہ و پیام ہو رہا ہے۔

روسی گورنمنٹ آجکل ان کے ہجرت پر اعتراض نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اُن کے ملک میں روسی کاشتکار آباد کرنا چاہتی ہے۔ برخلاف اس کے ٹرکی گورنمنٹ ان کی آمد کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے۔ اور اُن کو ایشیا کوچک کے اُن علاقوں میں آباد کرتی ہے جہاں آبادی کم ہے۔ سرکیشین جفاکش اور تندرست ہوتے ہیں۔ اور جن قوموں سے خلاملا کرتے ہیں اون کو بھی اپنے ایسا بنا لیتے ہیں۔

ایک انگریز ناظر کتاب اس بات کو جاننے کا خواہشمند ہوگا کہ تیرہ برس کی عمر کے بعد جب لڑکے اور لڑکیاں آپس میں مل نہیں سکتے۔ تو شادی کا اہتمام کس طرح کیا جاتا ہے۔ میں اب رسومات شادی کا ذکر کرتا ہوں۔ دُنیا کے بہت سے دیگر ممالک کی طرح ٹرکی میں بھی شادی سے پہلے منگنی ہوتی ہے۔ مگر اس ملک میں کورٹ شپ کی سخت ممانعت ہے۔ (یورپین ممالک میں دستور ہے کہ جب منگنی ہو جاتی ہے۔ تو لڑکا لڑکی آپس میں متواتر ملتے ہیں۔ اور روزانہ خطوط روانہ کرتے رہتے ہیں۔ اس رسم کو کورٹ شپ کہتے ہیں۔ مترجم)

جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں ملنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔ لہذا اُن کا آپس میں چونچلے کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ بعض بعض حالتوں میں یہ ممکن ہے کہ وہ دور سے ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔ یا ہمسایوں کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر محبت کی علامات ظاہر کریں۔

البتہ لڑکیاں اون لڑکوں کو اچھی طرح دیکھ سکتی ہیں۔ جن سے اون کی نسبت قرار پائی ہو۔ مگر اُن سے ہم کلام نہیں ہو سکتیں۔ اور لڑکے تو اپنی بیگم لڑکیوں کا سایہ تک نہیں دیکھ سکتے۔ لہذا ایک لڑکے کے لئے یہ جاننا قیمت

مشکل ہے۔ کہ اُس کی مجوزہ بیوی کیسی ہے۔ البتہ دوسروں سے وہ اسکی شکل و صورت حسن و سیرت کے بارہ میں پوچھ سکتا ہے۔ اسی طرح لڑکے کی عورت رشتہ داروں یا نائن کے ذریعہ منگنی کیجاتی ہے۔ یہ بالعموم بوڑھی اور غرض مند عورتیں ہوتی ہیں۔ وہ ناتہ کرنے میں بڑی کوشش کرتی ہیں۔ اس کوشش سے طرفین کو فائدہ پہنچانا یا اپنی دل لگی کا سامان بہم پہنچانا مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے پیشے کا کمال دکھانا مدنظر ہوتا ہے۔ وہ ایسے گھروں میں جاتی ہیں۔ جہاں لڑکے کے لئے موزوں لڑکیاں موجود ہوں۔ اور لڑکی والوں سے درخواست کرتی ہیں۔ اپنا مطلب ایسی چرب زبانی اور خوش بیانی سے ادا کرتی ہیں کہ بڑے بڑے فصیحوں کو پس پشت ڈالتی ہیں۔ اُن کی درخواست کا جواب خود دلہن نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ بات معیوب خیال کیجاتی ہے والدین یا لڑکی کا ولی اس بات کا فیصلہ کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ لڑکی کی بھی رائے لیجاتی ہے۔ مگر اُس کو چنداں وقعت نہیں دیجاتی۔ اور امر واقعی تو یہ ہے کہ وہ ترقی یافتہ ممالک کی لڑکیوں کی طرح اسبارے میں اپنی کوئی رائے قائم بھی نہیں کر سکتی نائین لڑکی والوں کے گھر میں چار بار آتی ہیں کہ معاملہ کو یکسو کریں۔ کیونکہ لڑکی والے ایک ہی دفعہ ہاں یا نہ نہیں کرتے۔ وہ سوچنے کے لئے مہلت مانگتے ہیں۔ اور اس اثنا میں لڑکے کے چال وچلن وغیرہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ اگر جواب نفی میں دینا ہو تو نہایت مہذبانہ پیرایہ میں دیا جاتا ہے۔ ٹرکی کے بعض حصوں میں لڑکی والے مختلف طریقوں سے اپنے انکار کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس مُلک کے لوگ عام جوتوں پر سلیپر پہنتے ہیں (شاید مصنف کا مطلب بوٹ سے ہے۔ مترجم) اور مکان میں داخل ہوتے ہیں تو ان کو دروازہ پر اُتار دیتے ہیں۔ گھر کا خادم اُن سلیپروں کو سیدھا کر کے اس طرح پر رکھ دیتا ہے کہ اگر وہ آدمی باہر آئے تو بغیر رُخ پھیرے ان کو پہن لے۔ اگر اُن سلیپروں کا رُخ نکلتے ہوئے سیدھا ہو۔ بلکہ پہننے والے کو اس کو پھیرنا پڑے تو وہ نائین سمجھ لیتی ہے کہ اُس کی درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا گیا۔ اسطرح ایک لڑکے کی منگنی تو ہو جاتی ہے۔ مگر اُسے اپنی آئندہ بیوی دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی اور جب تک شادی کی ساری رسومات ختم نہ ہولیں وہ اُس کو نہیں دیکھ سکتا بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ جب خاوند نے اپنی بیوی کو پہلی بار دیکھا تو وہ

حیران پشیمان ہوکر رہ گیا۔ ایک شہر میں ایک نوجوان کا منگنی ہو جانے کے بعد اُس سے اپنی ہونے والی بیوی کی خوبصورتی اور حسن و جمال کی یہاں تک تعریف سنی کہ اوسکا عاشق شیدا ہو گیا۔ مگر جب شادی ہو چکی۔ اور اُس نے اپنی بیوی کا زردوز نقاب منہ سے ہٹایا تو اوسکو دیکھتے گھر سے بھاگ گیا۔ وہ تو اوسکو ایک حور شمائل خیال کئے بیٹھا تھا۔ مگر وہاں نکل آئی ایک بھونڈی چڑیل۔ (بعینہ ایک ایسا واقعہ شہر گوجرانوالہ میں بھی گذر چکا ہے مترجم) ہر ایک شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک نوجوان کو جو ناگنوں کے بہکانے میں آکر اپنی منسوبہ کو حسن و جمال کی پتلی سمجھے بیٹھا تھا۔ آخیر وقت میں اصل حال کھلنے سے کس قدر رنج پہونچتا ہوگا۔

اُس نوجوان کی مایوسی کو خیال کرو۔ جو بزعم خود ایک پری تمثال بیوی کا گھونگھٹ ہٹاتا ہے۔ مگر چیچک سے داغدار چہرہ جسپر پوڈر تھپا ہے۔ اور بدنما ناک اور بھونڈی شکل دیکھتا ہے۔ مگر اُس کی بدقسمتی پر زیادہ افسوس نہ کرنا چاہئیے۔ کیونکہ اُس نے بدقسمتی سے بہت سی عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ اور اُسکو اصلی خوبصورتی کا بوجہ ناتجربہ کاری چنداں احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ قدرتی طور پر قانع اور صابر ہو جاتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے اُسکی قسمت میں ایسی ہی بیوی لکھی تھی۔ اور اس طرح بیوی کا جسمانی نقص اوسکو زیادہ تکلیف دہ معلوم نہیں ہوتا ۔ اور ایسا واقعہ تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ وہ بدصورت بیوی کو دیکھکر گھر سے ہی بھاگ جائے۔ منگنی وغیرہ کی ایسی رسومات کاشتکاروں اور خانہ بدوش قبائل میں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ اُن میں تو لڑکے لڑکیاں اکٹھے [illegible] باغوں اور سبزہ زاروں پر کام کرتے ہیں۔ اور جب بڑے ہو جاتے ہیں۔ باہمی میل جول اور محبت سے متاثر ہوکر شادی کر لیتے ہیں۔ شہروں میں بھی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لڑکا شادی سے پہلے ہی لڑکی سے واقفیت پیدا کر لیتا ہے۔ مگر ایسی ملاقاتیں خفیہ طور پر کیجاتی ہیں۔ اور ان میں عمر رسیدہ نوکروں سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ بات کسی قدر تعجب سے سُنی جائے گی کہ اُن خفیہ ملاقاتوں کا بندوبست بعض اوقات منسوبہ مائیں کرتی ہیں۔ اس ملاقات میں ایک بات نہایت ضروری ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ لڑکی بن ٹھن کر لڑکے کے سامنے آتی ہے۔ اور میرے خیال میں پردہ مستور لڑکی کے حق میں مفید ہے۔ کہ اُس کے عیب چھپے رہتے ہیں۔

چھوٹی عمر کے لڑکے اور لڑکی کی شادی میں منگنی کیطرح بالواسطہ طور پر کیجاتی ہے۔ انکی شادی کی رسومات ایک مکان میں قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں ادا کی جاتی ہیں یا وہ کسی مسجد یا معبد کیطرف نہیں جاتے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ ترکی میں گھروں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک مردانہ اور زنانہ اور دونوں کے درمیان ایک لمبا راستہ ہوتا ہے۔

شادی کے دن یہ راستہ مستورات سے بھر جاتا ہے۔ اور تمام مرد اس مردانہ کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ جس کا دروازہ رستے کیطرف ہوتا ہے۔ ان مردوں میں دولہا کی خاطر سب سے زیادہ مطلوب ہوتی ہے۔ کمرے کا دروازہ جو رستہ کیطرف ہوتا ہے بند کر دیا جاتا ہے۔ سادرست اور کمرے میں خاموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ مردوں میں سے دلہن کا باپ اور اگر وہ نہ ہو تو خاندان کا کوئی بزرگ یا اُس لڑکی کا ولی اٹھتا ہے۔ دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ اور نہایت متانت و جلال سے یہ سوال پوچھتا ہے "میری دختر نیک اختر ہم خدا اور رسول کے فرمان کے بموجب تمہارا فلاں ابن فلاں سے نکاح کرنے والے ہیں۔ کیا تم اسکو قبول کرتی ہو؟ اسطرف سے کوئی جواب نہیں دیتا۔ وہ منتظمین پھر وہی سوال کرتا ہے۔ مگر پھر بھی صدائے برخاست کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ پھر کسی قدر غصے سے دریافت کرتا ہے۔ اور اس دفعہ اُس رستہ میں سے رونے کی آواز آتی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ لڑکی شرم کے مارے روتی ہے یا ان چٹکیوں کی تکلیف سے ایسا کرتی ہے۔ جو اُس کی ناہنجار سہیلیاں اس کو بھرتی ہیں۔ اور جن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آگے سے جواب کیوں نہیں دیتی۔ اتنے میں دولہا کچھ بیتاب سا ہو جاتا ہے۔ اُس کے چہرے پر غصے اور رنج کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ شخص پھر چوتھی دفعہ وہی سوال کرتا ہے۔ اور اس دفعہ دھیمی سی آواز میں بلی کردم کی آواز آتی ہے۔ اس آواز کے آتے ہی دولہا ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ وہ شخص پھر اُس کے پاس آتا ہے۔ اور اُسی طرز میں سوال کرتا ہے۔ کہ کیا تم فلاں بنت فلاں کو قبول کرتے ہو۔ وہ جواب دینے میں ذرا بھی تساہل یا تامل نہیں کرتا۔ وہ اس موقعہ پر شرم دکھانا شان مردمی سے بعید سمجھتا ہے۔ بس وہ اُس آدمی کا ترت پھرت جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد حاضرین نکاح کا اعلان کرتے ہیں۔ اور دعا

خیر مانگتے ہیں۔ اور دولہا کو مبارک باد دیتے ہیں۔ پھر وہ جلدی جلدی کابین نامہ لکھکر اُس پر دستخط کرتے ہیں۔ اور قاضی اسکی تصدیق کرتا ہے۔ مگر نوجوان مناکحین زوجین (جوڑا) کو جب تک کہ ساری رسومات ادا نہ ہوں۔ ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور یہ رسومات چند دنوں سے پہلے ختم نہیں ہوتیں۔ شادی کی رسومات میں ایک عجیب رسم یہ ہے۔ کہ دولہا کے دوست اُس کی پشت پر گھونسے مارتے ہیں یہ رسم ترکی میں عام ہے۔ رسومات شادی ختم ہو چکنے کے بعد پہلی مرتبہ جب دولہا دلہن کا منہ دیکھنے جاتا ہے۔ تو اُس کے بے تکلف دوست اور رشتے دار زنانے کے دروازہ پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اُسکی درازیٔ عمر اور خوشحالی کی دعا مانگتے ہیں۔ جب وہ اندر داخل ہونے لگتا ہے۔ وہ پیچھے سے مکے مارتے ہیں۔ مار کے ڈر سے وہ جلدی جلدی قدم اُٹھا کر اندر جاتا ہے۔ عام طور پر تو یہ توقع کیجاتی ہے کہ ہلکے ہلکے لگائے جائیں۔ مگر بعض نوجوان کنوارے دولہا کے برخلاف اپنی آتش حسد بجھانے کو اُسے ضرورت سے زیادہ سخت گھونسے لگاتے ہیں۔ (گویا شادی کی ساری رسومات قریباً ہمارے ملک کے مطابق ہیں۔ مترجم)

پردہ نشین فرقہ کا بیان ختم کرنے سے پہلے مجھے عورت دوکانداروں اور اُن کے طریقہ دوکانداری کا بھی کچھ ذکر کرنا ضروری ہے اور یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ حرموں میں جا کر وہ اپنی اشیاء فروختنی کی نمائش کرتی ہیں۔ اس ملک میں اور نیز اُن لوگوں میں جو دنیا کی تجارت میں انٹرسٹ لیتے ہیں۔ بہت ہی کم اشخاص کو مشرق کی اُن عورت تاجروں کا علم ہوگا۔ تاہم مشرق کے وسیع ممالک میں جہاں عورتوں کا ایک بڑا حصہ پردہ نشین ہے۔ عورت دوکاندار بھی ہیں۔ جو اشیاء فروختنی لیکر امیر گھروں میں جاتیں اور اپنی چیزیں دکھاتی پھرتی ہیں۔ پہلے پہل یہ تجارت وہاں کی اصلی عورتیں کرتی تھیں۔ مگر کچھ عرصے سے اب یورپین عورتیں بھی یا تو بمرضی خود یا چھوٹی چھوٹی یورپین کوٹھیوں کی ایجنٹ بنکر یہ کام کرنے لگی ہیں۔

آجکل جبکہ انگلستان کی تجارت کو عالمگیر کیے جانے کے وسائل زیر غور ہیں۔ تجارت کے اس طریقہ پر بھی بحث کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ یہ خاص عورتوں کا حق ہے کیونکہ وہی اس طریقہ تجارت کو بخوبی سرانجام دے سکتی ہیں۔ البتہ تجارت کا یہ طریقہ صرف

مسلمان خاندانوں کے لئے ہی انتخاب کیا جاسکتا ہے جن میں سے دس کروڑ تو برطانیہ اعظم کے ماتحت ہیں۔ اور ظن غالب ہے کہ آئندہ زمانہ اس تعداد میں معتدبہ اضافہ کرے گا۔ مزید برآں دوسری سلطنتوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ انگلستان کے تجارتی اغراض کچھ کم نہیں۔ ممالک ایشیا میں انگریزی تجارت کو فروغ دینے کا سبق مشنریوں سے حاصل کیا چاہیئے۔

بلاد شرقیہ میں مشنریوں کی کامیابی کا زیادہ تر کریڈٹ مشنری لیڈیوں کو حاصل ہے کیونکہ صرف وہی مشرق کی مستورات سے بات چیت کرسکتی ہیں۔ جس باعث سے مذہب کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس سے تجارت کو بھی رونق ہوسکتی ہے۔ اور زنانہ مشنریوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر انہیں اصولوں پر تجارت کی ایسوسی ایشن قایم کی جائے تو بیش از بیش کامیابی نصیب ہو۔ ساتھ ہی اُن انگریزی تجارتی کوٹھیوں پر جن کا مشرق سے بڑا گہرا تعلق ہے ظاہر کرنا چاہیئے۔ کہ اُن کی چیزیں فروخت کرنے اور دکھانے میں زنانہ ایجنٹ بہت ہی کارآمد ثابت ہونگی۔ بہت سی مسلمان عورتیں خرید و فروخت کے لئے بازاروں اور دکانوں کیطرف نہیں جاسکتی۔ اگر اون کو خانگی ضروریات کی چیزیں لیڈی ایجنٹوں کے ہاتھ بیچ دیجایا کریں۔ تو وہ یقیناً مستقل گاہک بنی رہیں گی۔ ٹرکی میں رومن کیتھلک ننوں نے (نن اوس مشنری عورت کو کہتے ہیں جو ساری عمر شادی نہ کرے۔ اور اپنی زندگی مذہب کے لئے وقف کردے۔ مترجم۔) تجارت کا یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے۔ اور بہت سی مسلمان خاتونوں کو اونی مال سے پارچہ جات۔ جرابیں۔ اور شالیں اور دیگر قسم کی اشیاء جو کارخانوں میں تیار کیجاتی ہیں۔ مستقل گاہک بنا رکھا ہے۔ مسلمان خاتونوں میں اس قسم کی دکانداری کی ضرورت عام طور پر محسوس ہو رہی ہے۔ اور یورپین تکلفات اور اقتضائے برا خانگی ضروریات اور ذاتی تکلفات میں بیش از بیش اضافہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ کسی وقت خیال تھا۔ مگر اب یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یورپین رہائش زندگی اور معاشرت نے مشرقی مستورات کے پردہ کا کچھ بھی فرق نہیں ڈالا۔ اور موجودہ حالت میں خواہ کچھ ہی ہو مشرق کی مستورات اپنی خانگی اور ذاتی ضروریات کے باہم پہنچانے میں دوسروں کی دست نگر ہیں۔

ہاں انگلستان کی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ عورتیں خاوندوں۔ بھائیوں۔ یا بیٹیوں کو چیزیں خریدنے کے لئے بھیج دیں۔ مگر جیسا کہ اس ملک میں ہوتا ہے۔ خاوند۔ بھائی بیٹے ہمیشہ حسب پسند چیز بھی نہیں لا سکتے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انکو چیز مطلوبہ لانی یاد بھی نہ رہے کچھ ہو۔ اسطرح کے سودے میں بہت سے فساد ہیں۔

دیہات کے رہنے والوں اور ادنےٰ طبقہ کے لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے شہروں میں صرف وہ خاتونیں خرید کے لئے بازاروں میں جاتی ہیں جو اعلےٰ تعلیم یافتہ ہیں اور وہ بھی دکانوں کا ٹھیک اندازہ یا تو خود نہیں کرتیں یا کر ہی نہیں سکتیں پہلے تو یہی کہ وہ پردے اوڑھے ہوتی ہیں۔ غیروں سے کلام کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ پس وہ تسلی اور دل جمعی سے سودا نہیں کر سکتیں۔ اس کو بھی جانے دو۔ مشرق کی عورتیں ویسے بھی عورت دکانداروں سے اپنے ہی گھروں میں سودا سلف لینے کو ترجیح دیتی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ ایسی بات سے وہ اتنی ہی خوش ہوتی ہیں جتنی کہ اُن کی مغربی بہنیں۔ اکثر کہا جاتا ہے۔ کہ "مشرق ناقابل تغیر ہے" اور معلوم ہوتا ہے۔ اس فقرہ کا کہنے والا اصل حال سے مطلق بے خبر ہے۔ کیونکہ مشرق اب وہ مشرق نہیں۔ وہ کروٹ بدل رہا ہے۔ اس کی حالت میں تغیر عظیم واقع ہو رہا ہے۔ مغربی طریقے اور خیالات پھیل رہے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ ہی روزمرہ کی ضروریات اور حاجات بھی بڑھ رہی ہیں۔ ان ضروریات کو ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں پورا نہیں کر سکتیں۔ اور یورپین چیزوں کی مانگ دن بدن بڑھ رہی ہے۔ ہم نے خود کئی دفعہ۔ ٹرکی۔ قبرص۔ اور شام کے اپنے دوستوں کو انگلستان اور فرانس سے بہت سی چیزیں جیسے کہ چاقو۔ قینچیاں۔ پٹاریاں۔ صندوقچیاں۔ تعلیمی آلات۔ جیسے کہ نقشہ نویسی کے آلات کے بکس وغیرہ اور بچوں کے کھلونے روانہ کئے ہیں۔ اسی پر کفایت نہیں۔ ہمارے دوست بھی چیزیں اپنے دوستوں کے لئے منگاتے ہیں۔

کوئی شک نہیں۔ یہہ چیزیں بلاد مشرق میں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ مگر ہمارے دوستوں کو معلوم ہی نہیں۔ کہ وہ کہاں بکتی ہیں۔ اور عورت دکانداروں کے سٹوروں میں یہ چیزیں آتی ہیں۔ اسوقت عورت تاجروں کے لئے ان چیزوں کی فروخت کرنے کا عمدہ موقع ہے۔ (مصنف کی باطنی خباثت کا ثبوت تو اس سے مل گیا ہوگا۔ کہ وہ غیر ملک کی تجارت کو فروغ دینے کی تجاویز سوچتا ہے۔ اور اپنی ملکی تجارت کو ترقی دینی

کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ اور نہ اپنے بھائیوں کو غیروں کی تجارتی ترقی کا حال سنا کر عبرت دلاتا ہے۔ بلکہ ان کو غیر ممالک کی چیزوں کے خرید کی ترغیب دیتا ہے۔ خدا ایسے سیاہ باطنوں کی شرارت سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ مترجم)

چوتھا باب

میرا قسطنطنیہ جانا اور مزید تعلیم پانا

سفر کی صعوبتیں۔ ڈاکوؤں کے خوف سے حفظ ماتقدم۔ دیہات کی مہمان نوازی۔ سراؤں اور ہوٹلوں کی خراب حالت۔ دولت عثمانیہ کا پہلا دارالخلافہ بروصا۔ قسطنطنیہ۔ یورپین کوارٹر کو دیکھ کر اس کا پہلا اثر۔ میری تعلیم کا مسئلہ۔ قدیم اور جدید درسگاہیں۔ مجھے قدیم درسگاہ میں داخل ہونے پر مجبور کیا جانا۔ میں ایک طرح راہب بن جاتا ہوں۔ لباس کا امتیاز۔ قدیم درسگاہوں کی حالت۔ علماء ان کی پوزیشن اور اقتدار۔

جیم سے فارغ ہونے کے بعد میں ایشیا کوچک میں اپنے چچا کے گھر زیادہ عرصہ نہ رہا۔ کیونکہ میرے چچا نے پھر قسطنطنیہ کی رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے مجھے اُن کے ساتھ جانا ضروری تھا۔ چچا کے گھر میں ہر ایک فرد بشر سفر کے لئے اسباب وغیرہ باندھنے میں مصروف ہوا۔ میری چچی نے میرے لئے نئے کپڑے سلوائے اور سفر میں (جو سات دن تک رہتا تھا) کھانے کے لئے ہر قسم کی اشیاء خوردنی تیار کیں۔ لیکن میرے چچا نے مجھے یہاں سے گھر جانے کی اجازت نہ دی۔ میں صرف چند گھنٹے امی کو ملنے جاتا۔ وہ میری جدائی کے خیال سے ہمیشہ مغموم اور اداس رہتی۔ اس کے پاس صرف ایک دو سال کا بیٹا رہ گیا۔ میرا بڑا بھائی دو سال قبل اپنی تعلیم جاری رکھنے کو اس شہر کی طرف چلا گیا ہوا تھا۔ جہاں میں بھی جانے کو تیار بیٹھا تھا۔ اس وقت ہمارے شہر اور بحیرہ مارمورا کے ایشیائی ساحل کے درمیان ریلوے جاری نہ تھی۔ پس ہمیں چھ پہیہ کی گاڑیوں میں جنکو کریمیا کے تاتاریوں نے ہمارے وہاں لا بیچ گیا تھا۔ سفر کرتا تھا۔

یہ گاڑیاں لندن کی اُن گاڑیوں سے مشابہ ہیں جن پر اسباب وغیرہ ڈھوتے ہیں۔ ان گاڑیوں پر سفر کرنا سخت زحمت اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کمانیاں اعلیٰ درجہ کی نہیں لگی ہوئیں۔ سخت ہچکولے لگتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے گاڑی کے اندر چٹائیاں بچھا لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ان دنوں میں یہ بڑا غضب تھا۔ کہ سڑکیں بھی خراب تھیں۔ مگر اب بھی ان کی حالت چنداں بہتر نہیں۔ پندرہ سال ہوئے۔ گورنمنٹ نے ایک حکم نافذ کیا۔ کہ ہر قابل شخص سال میں چار دن شہروں کی درمیانی سڑکوں پر کام کرے۔ اور جو کام نہ کرے۔ اتنے دنوں کی مزدوری داخل خزانہ کرے۔ بعض لائق گورنروں نے سڑکوں کی حالت ٹھیک کرنے میں پیش از پیش جد وجہد کی۔ مگر وہ افسر جو شاہی محل سے مقرر ہو کر آئے۔ اور جنکی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس حکم سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔ اور جو روپیہ مزدوری کی عوض سے آیا خود ہضم کر گئے۔ اس طرح سڑکوں کا بہت سا حصہ جیسا کا ویسا خراب وخستہ حالت میں پڑا رہا۔ اور جو حصے درست بھی ہوئے۔ بروقت مرمت نہ کرتے رہنے سے پھر اُسی حالت میں ہو گئے۔ عمدہ سڑکیں بھی سفر میں بڑی آسانی پیدا کر دیتی ہیں۔ اور سلطان اس بات کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ اس کی سلطنت میں عمدہ سڑکیں ہونے کے باعث غیر ممالک کے سیاح اُس کے ملک میں سفر کر کے اصلی حالات سے آگاہ ہوں۔ اور انگریز و امریکن سیاحوں کے تو نام سے وہ گھبراتا ہے۔ کیونکہ اُس کی عملداری میں جا بجا ویران اور غیر آباد زمین بیکار ہے۔ اور ان ہاں اچھی اچھی زمین رشک گلزار ہو۔ بھلا وہ کیسے پسند کر سکتا ہے کہ اس کی رعایا کے افلاس کا مقابلہ وہ اپنے متمول سے کریں۔ (لعنت اللہ علی الکاذبین) ہر ایک شخص جانتا ہے کہ عمدہ سے عمدہ سڑکیں ریلوے کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ جب سلطان نے صوب جیسے غیر آباد ملک میں ریلوے کا جال پھیلا دیا ہے۔ بھلا اُس پر یہ الزام عاید ہو سکتا ہے۔ کہ وہ سڑکیں اس لئے نہیں بنواتا۔ کہ انگریز و امریکن سیاح اُس کی عملداری کے حالات سے باخبر ہو جائیں۔ یہ سلطان جب سے سریر خلافت پر رونق افروز ہوا ہے۔ اُس نے سلطنت میں توسیع ریلوے پر پیش از پیش زور دیا ہے۔ اس وقت کم وبیش سلطنت کے ہر حصہ میں ریلوے جاری ہے۔ اور جہاں نہیں۔ وہ زیر تعمیر ہے۔ کامل آگاہی کے لئے ناظرین کو سی سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید۔ واقعات سلطنت عثمانیہ

کی موجودہ حالت اور آئین کی بابت جگتہ اور ریاستیں مصنفہ مولانا مولوی محمد انشاء اللہ خان
صاحب ایڈیٹر اخبار وطن لاہور کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی سلطنت
ٹرکی کی جاری شدہ اور مجوزہ ریلوے لائنوں کے جو نقشے حمیدیہ ایجنسی لاہور نے شائع کئے
ہیں۔ وہ دیکھنے چاہئیں۔ ہم حیران ہیں کہ اس نام نہاد مسلمان نے اسقدر جھوٹ اور
ہذیان بکنے پر کیوں کمر باندھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص فطری بداندیش اور سیاہ
باطن ہے۔ اور نیش عقرب نہ از پے کیں است۔ مقتضائے طبیعتش ایں است
کا قول بالکل اسی پر صادق آتا ہے۔ اے خدا۔ تو ہمیں ایسے شخصوں کے راستے سے جن پر
تیرا قہر نازل ہو رہا ہے بچا۔ مترجم)

آخر روانگی کا دن آن پہنچا۔ اور ہم چوپہیہ گاڑیوں پر قسطنطنیہ کی طرف روانہ
ہو لیے۔ ہم نے بارہ گاڑیاں کرایہ پر لیں۔ بحساب مستورات اور ان کے اسباب کے
لئے اور پانچ مردوں کے واسطے۔ ذی حیثیت آدمی جو قیمتی اسباب لیجاتے ہیں
جنگی پولیس کے چند آدمی حفاظت کے لئے ساتھ لے لیتے ہیں۔ ہم نے بھی تین چند آدمی
(جنگی پولیس کے سپاہی۔ مترجم) .... حکام سے اپنے ساتھ لئے۔ یہ بات ڈاکوؤں کے خوف
سے کی جاتی ہے۔ جو ایشیائی ٹرکی کے پہاڑی علاقوں میں جہاں آبادی کم ہے جہاں
تہاں مسافروں پر چھاپا مارتے رہتے ہیں۔ مگر یہ ڈاکو ترک نہیں ہوتے۔ اور ہم کہتے ہیں
اب ڈاکو ہی بالکل نہیں ہوتے۔ ممکن ہے موجودہ سلطان سے پہلے یا اُس کے ساتھ
جنگ کے اثناء میں یا اس سے کچھ عرصہ بعد تک جنگی شریر قبائل ڈاکے مارتے ہوں۔ مگر اب
تو یہ حالت ہے کہ سونا اچھالتے ہوئے چلے جاؤ۔ کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا۔ کہ تمہارے منہ میں
کتنے دانت ہیں۔ اور باقی رہی معمولی چوری چکاری یا رہزنی۔ سو وہ کہاں نہیں ہوتی
اور ہمارا خیال ہے جب تک دنیا ہے یہ باتیں بھی کم و بیش رہیں گی۔ مترجم) جہاد کے
دنوں سے یورپ کے بے خبر لوگ ترکوں کو تعصب کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں۔
اور اب بھی دیکھتے ہیں۔ یعنی جب کبھی ٹرکی میں وہ کسی ڈاکے کی خبر سنتے ہیں۔ تو جھٹ
کہہ اُٹھتے ہیں۔ اجی ترک ڈاکو ہیں۔ انہوں نے ہی ایسا کیا ہوگا۔ حالانکہ دیہاتی ترک
طبعاً ایسا ڈرا اور متقدین ہیں۔ ترک دیہاتیوں سے نہیں ڈرتے تھے۔ حد تو یہی ان کو ہم
ہے۔ جو ایشیائے کوچک کے مشرقی گوشہ میں بہ تعداد کثیر آباد ہیں۔ ہم یونانیوں سے

بہی ہراساں نہ تہے۔ ہم نے تو جو یہ احتیاط بطور ماتقدم کی تہی محض ان مہاجرین کے ڈر اور خوف سے کی تہی۔ جو زیادہ تر کیشنی ہیں۔

روزانہ سفر کے مطابق ہم کو پہلا مقام اس چھوٹے قصبہ میں کرنا چاہئے تہا۔ جو تین گہنٹہ کی مسافت پر آباد ہے۔ مگر ہم نے ابہی نصف مسافت ہی طے کی تہی کہ کوچبان کہنے لگا۔ ہم اپنے گہوڑوں کو زیادہ تہکانا نہیں چاہتے۔ اور ساتہ ہی مستورات نے شام ہونے کیوجہ سے آگے سفر کرنا پسند نہ کیا۔ لہذا ہم نے ایک چھوٹے سے گانوں میں مقام کیا۔ اس گانوں میں ہم کو رات کاٹنے کے لئے کافی کمرے نہ مل سکے۔ اگرچہ گانوں کے چودہری بڑے مہمان نواز تہے۔ مگر ہم تعداد میں زیادہ تہے وہ اتنے مہمانوں کی میزبانی کی طاقت نہ رکہتے تہے۔ (ترک دیہاتیوں کا مہمان نوازی کا وصف پیدائشی ہے) ترک دیہاتی پیدائشی مہمان نواز ہیں۔ وہ راہ گذر اجنبیوں کو دعوت دینے سے ازبس خوش ہوتے ہیں۔ اور عوض میں اپنے مہمان سے کسی قسم کی اجرت لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ ان یورپینوں نے جو ایشیائے کوچک میں سفر کر چکے ہیں۔ اس بات کا اکثر ذکر کیا ہے۔ مگر جس گاؤں میں ہم پہلی رات رہے۔ وہاں کے لوگوں نے ہماری مہمانی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ پکے مہمان نواز ہو بہی نہیں سکتے۔ اس صوبہ میں جتنے افسر سلطان کیطرف سے مقرر ہو کر آتے ہیں۔ بڑے عیال دار ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے آتے ہوئے یا اسطرف جاتے ہوئے مہمانی کا لطف وہ خود اٹہاتے ہیں اور سمجہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ سلطان کے نمک حلال اور خیرخواہ غلام ہونے سے اسکا فرض واجبی ادا کر کے ثواب عظیم حاصل کرتے ہیں۔

اگرچہ میرا چچا اک عہدہ دار تہا۔ مگر وہ غریب گانوں والوں پر ایسا تاوان لگانا پسند نہ کرتا تہا۔ کیونکہ وہ خود ایشیائے کوچک کا باشندہ تہا۔ اور اپنے ہموطن کو تکلیف دینا انسانیت سے بعید سمجہتا تہا۔ تاہم ہمیں چند شخصوں سے مٹی گارے کے بنے ہوئے چند کمرے خالی کرائے مجہے اور تین اور شخصوں کو ایک طویلہ کے بالاخانے میں جس میں چند بیل بچہڑے اور گدہے بند ہوئے تہے۔ اور جس میں ایک چراغ دہیمی سی روشنی ڈال رہا تہا۔ سونا پڑا۔ میرا خیال ہے۔ ایشیائے کوچک کے وہ انگریز

سیاح جو ان بالاخانوں اور مویشیوں اور حیوانوں کے شور اور ان کے سانس کی بو کی شکایت کرتے ہیں بری طرح ہی قابو آئے ہوں گے۔ مگر میں نے تو لب شکایت وا نہیں کیا۔ کیونکہ میں مشکلات کا عادی ہونا چاہتا تھا۔ اور مزید برآں میں نے سنا تھا اور میرا خود بھی خیال تھا کہ طویلے میں سونا صحت کے لئے از بس مفید ہے۔ پچھلے لگاتار گاڑی میں دن بھر سفر کرنے میں چکنا چور ہو گیا تھا۔ اور لیٹنے کے ساتھ ہی گہری نیند کی آغوش میں چلا جانا یقینی تھا۔ مگر میں لیٹا ہی تھا کہ سینکڑوں پسو کوئی اوپر سے گر گر کر کوئی نیچے سے آ آ کر مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ اور میری نیند کو قطعی حرام کر دیا۔ تنگ آ کر میں نے گاڑی میں جا کر سونے کا ارادہ کیا۔ اپنا کمبل لے کر میں اس طرف چلا۔ مگر جب باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین بڑے موٹے تازے رکھوالے کتے گاڑیوں کے پاس لیٹے ہوئے ہیں۔ بھلا ان کو دیکھ کر آگے جانے کی کون جرأت کرے۔ وہیں سے واپس ہوا۔

بھیڑوں اور بے شمار بکریوں کو چوروں اور بھیڑیوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کیلئے ان کتوں کو ایسے ڈھنگ سے پالا جاتا ہے کہ وہ درندوں سے بڑھ کر خونخوار اور تند خو ہو جاتے ہیں۔ رات کے وقت جس اجنبی کو گاؤں میں پاتے ہیں پھاڑ کر اس کی بوٹی بوٹی کر دیتے ہیں۔ وہ بڑے مضبوط اور زوردار بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ جھبرا ان کا ریشم جیسا نرم اور چمکدار ہوتا ہے۔ بکریوں کے مالک ان کتوں کے گلوں میں نوکدار پٹا باندھ دیتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی بھیڑیے کتوں پر حملہ کرتے ہیں تو ان کو گلے یا حلق سے پکڑتے ہیں۔ یہ نوکدار پٹے کتوں کو حملہ آوروں کے تیز دانتوں کے زخموں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اس گاؤں میں جوں توں رات کاٹ کر نور کے تڑکے ہم دوسرے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ مسافروں کے دستور کے مطابق ہم ایک رئیس کے یہاں مہمان ہوئے اور قومی مہمانی کا لطف اور حظ اٹھایا۔ شہروں میں جس قسم کی مہمانی صرف ان لوگوں کی کی جاتی ہے۔ جو صاحب خانہ سے تعارف رکھتے ہوں۔ یا میزبان کسی دو کا سفارشی خط لائے ہوں۔

سفر کی تیسری رات ہم نے ایک کسان گاؤں میں ٹھیرنے کا ارادہ کیا۔ مگر پہنچ

معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھروں کا قفل لگا کر معہ مال و اسباب پاس کے سبزہ زار میں جہاں دو تین نہایت خوشنما چشمے ہیں چلے گئے ہیں۔ ہم اُس سبزہ زار کیطرف روانہ ہوئے اور رات بھی انہیں خیموں میں بسر کی۔ یہ خیمے سیاہ بکریوں کی اون کے بنے ہوئے تھے۔ اور ہمکو ان بیچارہ بدوش ترکمانوں نے رات کی رات عاریتاً دئے تھے۔ اس مہربانی کے عوض میں ہمنے ان کو کچھ نقدی دینی چاہی۔ مگر وہ ہماری اس بات سے خفا ہوگئے۔ پس ہم نے ان کو چند شہری تحفے بطور شکرانہ نذر کئے۔ چوتھی رات ہم نے ایک بڑے شہر میں کاٹی۔ ہوٹل وہوٹل کی قسم سے کوئی مکان وہاں موجود نہ تھا۔ ساحل اور ریلوے لائنوں کے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ دوسرے شہروں میں ہوٹل نہیں ہیں۔ اگر ہیں تو وہ معمولی مکان ہیں۔ کہ انکو ہوٹلوں کا نام دیدیا گیا ہے۔ یہ مکان شہر کے پر رونق حصوں میں واقع ہیں۔ اور دیسی عیسائی انکا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ دراصل شرابخانے ہیں۔ انمیں ہمیشہ شرابی متوالے ہوکر خرمستیاں کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ایسے مکانوں میں شریف عثمانی کنبہ کیسے ٹھہر سکتا ہے۔ اگر مسافر کنبہ کے پاس کسی شریف آدمی کا خاص تعارفی خط نہ ہو تو وہ ایسے ہوٹلوں کی نسبت خان یا سرائے میں رات گذرانی کو بدرجہ ترجیح دیگا۔ ان سرائیں کے کمرے ضروری اسباب سے نہیں ہوتے ہیں۔ اور غایت درجے کے غلیظ اور گندے ہوتے ہیں۔ اصل میں وہ حشرات الارض کیڑوں مکوڑوں اور بچھوؤں کی سکونت گاہ ہوتے ہیں۔ اور دو راتیں بسر کرکے چھٹے دن کی شام کو ہم بروصا میں پہنچے۔ بروصا میں ہمنے چند دن قیام کیا۔ یہ شہر خوبصورت مسجدوں۔ خانقاہوں اور مزاروں سے بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے۔ بڑے بڑے حمام گرم چشموں پر بنے ہوئے ہیں اور دیکھنے کے قابل ہیں۔ بروصا سلطنت عثمانیہ کے بزرگ شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ پہلے یہی عثمانی سلطانوں کا صدر مقام رہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تو اس نے بروصا سے پچاس ہزار ترک خاندان بھی دار الخلافہ میں لیگئے۔ بروصا سے ہم بحیرہ مارمورا پر آئے اور کشتی پر بیٹھ کر قسطنطنیہ کیطرف روانہ ہوئے۔

اسلامبول کے جس حصہ میں میرے چچا نے سکونت اختیار کی وہ فاتح قسطنطنیہ محمد ثانی کی جامع مسجد کے پاس آباد تھا۔ اس حصہ میں زیادہ تر پرانے خیالات کے ترک رہتے ہیں۔ میرے چچا نے مجھکو اور اپنے بیٹوں کو شہر کی سیر کرنیکے واسطے دو ہفتوں کی چھٹی دی

ایک دن پیرا دیکھنے کے لئے ہم کو سینگ طلائی کیطرف جانے کی اجازت ملی۔ (قسطنطنیہ کے مفصل حالات دیکھنے کا شوق ہو تو کتاب قسطنطنیہ جلد اول و دوم مولوی محمد انشاء اللہ خانصاحب کا مطالعہ فرماویں۔ مترجم) اس شہر میں یورپین رہتے ہیں ہم پیرا کی رونق اور اس کے مکینوں کی خوشحالی اور تمول دیکھکر دریائے حیرت میں غوطہ زن ہو گئے۔ جب ہم ان لوگوں کی خوش قسمتی پر دل ہی دل میں حسد سے جلکر کباب ہو رہے تھے۔ ہم کو ہمارے بوڑھے رہبر نے کہا کہ ایماندار اس دنیاوی ترقی اور جاہ و حشمت پر رشک بھی نہیں کرتا۔ اور اس نے یہ حدیث پڑھکر سنائی کہ یہ دنیا کافروں کے لئے بہشت ہے۔ اس حدیث نے جو بالکل غلط ہے۔ اور خواہ مخواہ رسول صلعم سے منسوب کیجاتی ہے راضی برضا ہونے کے اصول میں بڑی تقویت دی ہے۔ یعنی قسمت کے اصول میں اور اہل مشرق کا ایک ہی جگہ ساکن رہنا اور ترقی کیطرف جنبش نہ کرنا قسمت پر یقین رکھنے کیوجہ سے ہے (ور خدا ورا حافظ نباشد۔ ابھی آپ اوپر کہہ آئے ہیں کہ اہل مشرق کروٹ بدل رہے ہیں۔ اور ان میں تغیر عظیم پیدا ہو رہا ہے۔ اور ابھی چند صفحے بھی نہ گذرے کہ پھر دہرا دیا کہ وہ ایک جگہ کھڑے ہیں۔ زمین جنبد نہ جنبد گل محمد والی بات یہ ہی ہے۔ ناظرین ذرا خیال کریں یہ شخص مسلمان کو حقیر جتانے کے لئے کتنے پہلو بدل رہا ہے۔ مترجم)

تاہم جب ہم پیرا سے واپس ہوئے تو ہمارے خیالات میں ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا کیونکہ ہم نے یورپین زندگی کا تاریک پہلو بھی دیکھ لیا۔ یورپین حصہ کی بڑی آبادی یونانیوں۔ پولنڈیوں۔ سوانڈیوں۔ اطالیوں اور مالٹیوں پر مشتمل ہے یہاں گنہگاروں کی جم غفیر دیکھیئے منہ کالے پیر شیطے۔ انکی حالت ہے۔ بعض تو ہمیشہ ہی شراب میں غرق رہتے ہیں۔ ان کے چہرے اور بشرے انکی خباثت باطن کا اظہار کرتے ہیں یہیں ہم نے ایسے گھر دیکھے کہ ان کی برآمدوں میں نصف برہنہ اور منقش جانور بیٹھے ہیں۔ یا دروازوں کی دہلیزوں پر کھڑے ہیں۔ اور ہر گذرنے والے کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ (مصنف کا مطلب بازاری عورتوں سے ہے۔ مگر ہمیں تشکک ہے۔ حضرت جنکو کتاب میں برائی سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی ان ہی کے سبز باغ دیکھکر لندن کے شیشے میں نہ اتر گئے ہوں۔ مترجم)

بازار مصر میں چل یوسف کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا سودا کھل جائیگا چلن کر

اس حصہ میں ہم نے شراب کی دو کانیں دیکھیں اور کیا دیکھا۔ یہ دیکھا کہ انمیں جاہل ملاح۔ یونانی چور۔ لڑاکے مالٹی۔ اور یورپین سوسائیٹی کے ننگ ناموس ایک دوسرے پر پلے پڑتے ہیں۔ تمام کے تمام شراب سے کم و بیش متوالی ہو رہی تھی۔ بہت سے خنجروں اور ریوالوروں سے مسلح تھے۔ ان وحشیوں میں سے کوئی بھی ملک کی قانون اور (وہانکی پولیس سے نہ ڈرتا تھا۔ کیونکہ وہ انکی دست برد سے باہر تھے۔ اور اپنے اپنے ممالک کی سفارتوں کے ماتحت تھے۔ او بے شرم و بے غیرت مسخر الکتاب کاش اس ایک واقعہ سے ہی ہوش میں آجائے۔ کیا یورپینوں کے اسی انصاف اور تہذیب پر تو مرا جاتا ہے۔ کہ ترکوں کو ان کی تقلید کرنے کو کہتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں یورپ کی نیکیاں موجودہ عثمانی فرمانروا اپنی قوم میں پیدا کر رہا ہے۔ مگر ان کی برائیوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ مترجم)

ہم اس خرافات کو دیکھکر سخت بدمزہ ہوئے۔ اور عام مسلمان سمجھتے ہیں کہ عیسائی ہوتے ہی ایسے ہیں۔ مسلمان بیچارے کیا کریں۔ ایسے سے بھی جسکو یورپین تہذیب کی ہوا لگجاتی ہے وہ بھی نشے سے بیمار ہو جاتا ہے۔ تو اپنی طرف ہی دیکھ۔ کہ کیا کر رہا ہے۔ اور تیری ینگ ٹرکش پارٹی کے ممبر کیا کچھ خرافات کر رہے ہیں۔ مترجم) یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ یورپین تہذیب کی بری باتیں تو آناً فاناً پھیل جاتی ہیں۔ مگر اسکی نیک باتیں مشرقیوں پر اثر نہیں کرتیں (یہ بھی تیرا غلط خیال ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جو شخص صرف انکی نیکیاں اخذ کرتا ہے اسکو تیری جیسے بدباطن ترقی و تہذیب سے ہٹی بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ یورپین سے بھی ہزار درجہ بہتر ہوتے ہیں۔ تو حضرت سلطان عبدالحمید کے درپے کیوں ہو رہا ہے آخر اسی بات کے لئے نہ کہ جلالت مآب زور دیتے ہیں کہ یورپ کی نیکیاں حاصل کرو۔ مگر انکی برائیاں انہیں کیواسطے رہنے دو۔ خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر کاربند ہونے کی ہدایت کرتے ہیں۔ مترجم) اس سیر کے بعد مجھے عرصہ دراز تک یورپین کوارٹر کیطرف جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ مجھے اپنی تعلیم شروع کرنی پڑی۔ میرا چچا اب اس سوچ میں پڑا کہ مجھکو اور میرے چچا زاد بھائیوں کو کسطرح کی تعلیم دلائی جائے ٹرکی میں اعلیٰ تعلیم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قدیم ایک جدید۔ قدیم قسم کی تعلیم پرانے کالجوں

یا مدرسوں میں جنکا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔ دیجاتی ہے۔ اسباب ہیں کئی ان مدرسوں کا مزید ذکر کرونگا۔ جدید قسم کی تعلیم نئے سکولوں اور کالجوں میں دیجاتی ہے۔ اس قسم کے اسکول اور کالج قسطنطنیہ میں بہت ہیں۔ ان نئی درسگاہوں میں قدیم مدرسوں کے برخلاف موجودہ زمانہ کی حسب ضرورت ہر قسم کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ملٹری اکیڈیمی (اعلی مدرسہ) کے علاوہ فوجی کالج۔ بحری کالج۔ ملکی و جنگی میڈیکل کالج۔ شاہی لاس جنمیں سے بعض پچاس ساٹھ سال سے قایم ہیں۔ لا سکول (قانون سکھانیکا مدرسہ) انجنیرنگ کالج اور کئی دیگر کالج ہیں۔ جو ابھی ابھی قایم کئے گئے ہیں۔ دو سال ہوئے قسطنطنیہ میں ایک یونیورسٹی بنانے کی تجویز ہوئی تھی۔ مگر موجودہ سلطان ایسی تجویز کو جس سے یورپین علوم کی اشاعت ہو منظور نہیں کرسکتا۔ (تو کیا وہ کالج جو ابھی ابھی قایم ہوئے ہیں۔ اور یورپین فیشن کے سکول اور کالج تیرے باپ نے قایم کئے ہیں۔ کیا تو اس سلطان پر یہ الزام لگاتا ہے جسنے ابھی ابھی ہیں بھی جبکہ روسی فوجیں فتح و ظفر کے پرچم اڑاتی ہوئیں قسطنطنیہ کیطرف بڑھ رہی ہیں۔ اور امیر و وزیر بروصا کیطرف بھاگ جانے کی صلاح دیرہے تھے حمیدیہ یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔ ناظرین یہ سنکر ضرور متعجب ہونگے کہ جب سلطان نے یورپین طرز کی تعلیم دینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اور اس غرض سے منشور سلطانی صادر ہوگیا۔ تو عبد اللہ نے جو اسوقت شیخ الاسلام تھا۔ یورپینوں سے رشوت لیکر اس تعلیم کے برخلاف خلاف مذہب ہونیکا فتوی دیا تھا۔ مگر واہ رے سلطان۔ تیری فہم و فراست کے قربان جائیے۔ تو ان سب مشکلات پر غالب آیا۔ اور اپنی سلطنت میں موجودہ تعلیم رایج کرکے ہی چھوڑی۔ اس سلطان کے عہد میں پچاس ہزار کے قریب ابتدائی اور رشدی مکتب قایم ہوئے ہیں۔ مگر اس نمک حرام ترک کی دلیری دیکھئے کہ ہاتھ سے آفتاب کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ مترجم)

پہلے پہل ان کالجوں سے بہت سے نوجوان ہر علم میں طاق ہوکر نکلے تھے۔ مگر عبد الحمید کے اس مصمم ارادہ نے کہ جسطرح ہو نیک ترکش خیالات یا آزادی کی خیالات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے۔ ان کالجوں اور سکولوں کے مفاد میں بڑا فرق ڈالدیا ہے (چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ ارے پہلے مالنس عبد الحمید سے پہلے موجودہ علوم و فنون کے کالج ہی کتنے تھے کہ ان سے نوجوان ماہر ہوکر نکلتے تھے۔ دیکھو تیری غضب خدا۔ جس شخص نے تعلیم کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسپر یہ شخص الٹے لے دے کرتا ہے۔ مترجم)

میری اپنی خواہش تو یہ تہی کہ امتحان داخلہ کی تیاری کرکے ان نئے کالجوں میں سے کسی ایک میں داخل ہوں۔ چونکہ میرا بڑا بہائی ایک نئے کالج میں داخل ہوچکا تہا چچا نے مجہے مدرسہ میں داخل ہونیکی رائے دی۔ چونکہ ہم کو ابہی تک اپنی ضبط شدہ جاگیر کے واپس ملنے کی امید تہی اور اسپر قابض ہونے کے لئے اپنے دادا کیطرح مذہبی علوم میں ماہر ہونے کی ضرورت تہی۔ میرے چچا نے اسبات پر زور دیا کہ مجہے اپنی مذہبی تعلیم کو کسی مدرسہ میں درجہ تکمیل کو پہنچانا چاہیئے۔ اگرچہ میں اسبات کو دلسے نہ چاہتا تہا۔ تاہم چچا کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ میں ایک مدرسہ میں جو سنت صوفیہ کی چہوٹی مسجد سے متعلق ہے (اس مسجد کو یورپین سیاح بڑی سنت صوفیہ کی مسجد کیطرح شوق سے دیکہتے ہیں) جانے اور ایک کمرے میں استاد کے ساتہہ رہنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

جب کوئی شخص ان قدیم درسگاہوں میں داخل ہوتا ہے۔ تو اسکو خاص ڈہنگ کی پگڑی اور ڈہیلا چوغا پہننا پڑتا ہے۔ اور اگر داڑہی ہے تو اسکو لمبی رکہنا ضروری ہے اور سر کا منڈوانا لازمی ہے۔ میرے لئے ایک پگڑی اور ایک چوغہ مہیا کیا گیا۔ اور میرے چچا نے ایک نوکر کے ساتہہ مجہہ کو ایک حجام کی دوکان پر سر منڈانے کیلئے بہیجا۔ سر کے گہنے بالوں کا منڈوانا سخت تکلیف دہ ہوتا ہے جب حجام نے میرا سر موندنا شروع کیا میری آنکہوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اسکی دو وجوہات تہیں۔ ایک تو یہ کہ میں سر منڈوانے کا عادی نہ تہا۔ مجہے سخت تکلیف ہوئی تہی۔ دوسرا یہ خیال کہ مدرسہ میں راہبونکی زندگی بسر کرنی ہوگی۔ جو سخت رنج دیتا تہا۔ (شکر ہے اس شخص نے مولوی بننا پسند نہ کیا ورنہ کئی ہندی مولویوں کیطرح مذہب کی مٹی خراب کرکے مسلمانوں کو تباہی کے غار میں ڈہکیل دیتا۔ مترجم) دوسرے دن میں اپنے اسباب کے ساتہہ سکول میں گیا۔ مگر کئی ماہ تک میں نے اپنی تعلیم شروع نہ کی۔ کیونکہ سر منڈانے سے مجہے زکام ہوگیا۔ اور اس کے باعث سخت سر میں درد شروع ہوگیا۔ میں اس سکول کی مصیبت زدہ زندگی کو کبہی فراموش نہ کرونگا۔ یہاں مدرسہ اور اسکی طرز تعلیم کا ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ قسطنطینہ میں ایک سو سے زیادہ مدرسے ہیں (خیال رہے۔ مدرسے سے مصنف کی غرض قدیم طرز کے سکولوں سے ہے۔ مترجم) سلطنت کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بہی چند ایسے مدرسے موجود ہیں۔ یہ پرانے طرز کے سکول ٹرکی کے ساتہہ ہی مخصوص

نہیں ہیں۔ بلکہ مصر، ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ شروع میں یہ مدرسے صرف مذہبی تعلیم کی غرض سے قائم نہیں کئے گئے تھے۔ بلکہ اُسوقت کے جتنے علوم کہ الیشیا میں معلوم تھے۔ ان میں سکھائے جاتے تھے۔ قسطنطنیہ میں نامنور السیہ مدرسے قائم ہیں کہ اپنے پرانے ناموں سے ہی مشہور ہیں جیسے کہ مدرسہ طب۔ مدرسہ تاریخ وغیرہ وغیرہ

یہاں مسلمان آبادی کے دو حصے تھے جہلا اور علماء۔ اگرچہ ان مدرسوں میں تعلیم مذہبی اصولوں پر دیجاتی تھی۔ تاہم صرف علماء ہی فقیہ نہ ہوتے تھے۔ یہ علماء پادری نہ تھے کیونکہ اسلام میں مذہبی پیشواؤں کی ضرورت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ آنحضرت فخر انبیاء محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا ہے "اسلام کو پادریوں کی ضرورت نہیں" زمانہ کی رفتار کیساتھ انسانی علم بھی بڑھتا گیا۔ وسطی زمانہ میں جو ترقی مسلمانوں نے حاصل کی تھی اُن میں تنزل آنا شروع ہو گیا۔ مگر علماء عربی زبان پڑھانے میں مصروف رہے اور اسی کے ذریعہ دینی اور دنیاوی تعلیم دیتے رہے۔ اور روم اور مصر جیسے ممالک نے یورپین علوم کے حاصل کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور مغربی ڈھنگ پر مختلف علوم و فنون کے سکول اور کالج قائم کئے۔ دولت عثمانیہ میں علماء پہلے پروفیسر اور جج ہوتے تھے۔ مگر اب نہیں۔ اب انکی پوزیشن ایک خاص قسم کی ہے۔ جو نصارا پادریوں سے ملتی جلتی ہے کوئی شک نہیں۔ یہ جماعت (یعنی علماء کی) ابھی تک پرانے خطابوں سے ممتاز ہے۔ وظائف لیتی ہے۔ اور خیرات کے روپیہ پر بسر اوقات کرتی ہے۔ مزید برآں اس جماعت کے بعض افراد ابھی تک پرانے خیالات کے لوگوں پر بڑا اقتدار رکھتے ہیں۔ مگر نئے تعلیم یافتہ ان کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ اور انکی خدمات کی گورنمنٹ کو بھی ضرورت نہیں رہی۔ تاہم ابھی تک مدرسوں میں طلباء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ طلباء طبقہ علماء میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ جو زیادہ دانا اور فہمیدہ ہیں وہ ان مدرسوں میں داخل نہیں ہوتے۔ بلکہ جدید سکولوں اور کالجوں میں داخل ہو کر کوئی پروفیشن سیکھتے ہیں تاکہ ان کو عملی فائدہ حاصل ہو۔ مدرسوں کے بہت سے طلباء اپنا وقت بیکاری میں ضائع کرتے ہیں۔ یا محض اسلئے پڑھتے ہیں کہ امتحان پاس کر لیں۔ تاکہ فوجی خدمت سے آزادی حاصل ہو اور پھر اپنے شہروں یا قصبوں کی طرف جائیں۔ اور وہ طلباء جو دل لگا کر پڑھتے ہیں۔ جدید طرز کے کالجوں کی بجائے اس کالج میں داخل ہوتے ہیں جو قاضیوں

اور مفتیوں کی تعلیم کے لئے قائم ہے۔ ان طلاب کو سوفتا بھی کہتے ہیں۔ مدرسوں کا انتظام شیخ الاسلام کی نگرانی میں ہے۔ شیخ الاسلام کا عہدہ اب تک بڑے پایہ کا ہے۔ اور اگرچہ شیخ باب عالی کا ایک ممبر ہوتا ہے۔ تاہم اس کے اختیارات میں بڑا فرق آگیا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی بتایا ہے۔ اگرچہ اسلام میں مذہبی پیشواؤں کی ضرورت نہیں۔ تاہم علماء کے سردار یعنی شیخ الاسلام کی پوزیشن عیسائیوں کے لاٹ پادری کے برابر ہو رہی ہے۔ قسطنطنیہ کے مدرسوں کے طلباء کی تعداد سات اور پانچ ہزار کے درمیان ہے۔

پہلے یہ مدرسے انگریزی یونیورسٹی کے کالجوں کی طرح قائم کئے جاتے تھے۔ وہ سلطانوں یا بیگم صاحبوں کے عطیات سے جاری کئے جاتے تھے۔ اور مسجدوں کے قریب بنائے جاتے تھے۔ ان کے بانیوں کی بڑی غرض یہ ہوتی تھی۔ کہ نمازیوں کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوتا رہے۔ اور ساتھ ہی یہ۔ کہ مسجد کے بڑے کمرے لیکچر ہالوں کا کام دے جائیں۔ آج کل بھی زیادہ تر لیکچر مسجدوں ہی میں دئے جاتے ہیں۔ یہ مدرسے خود مختار ہوتے تھے۔ ان کے فیلوز خود اس کے نئے قواعد مرتب کرتے۔ اور خود ہی اس کی نگرانی رکھتے تھے۔ ہر ایک طالب علم کو سالن روٹی۔ اور مقررہ ایام میں خشکہ اور زعفران کی مٹھائی چراغوں کے لئے روغن زیتون وغیرہ مفت دیے جاتے تھے۔ آج کل طالب علموں کو یہ چیزیں ہمیشہ مفت نہیں ملتیں۔ کیونکہ مدرسوں کی متعلقہ جاگیریں اور جائدادوں کی آمدنی گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو گئی ہے۔ اور ان عطیات کی آمدنی وزارت اوقاف کے سپرد اسی کا انتظام ہے۔ خرد برد کر جاتے ہیں۔ آج کل تو ایسی حالت ہو گئی ہے کہ مدرسوں کے فیلوز درس گاہوں کی عمارتوں کی مرمت کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ یہ عمارتیں عموماً مربع شکل میں بنی ہوئی ہیں۔ وسط میں ایک صحن ہے اکثر ایک منزلہ اور بعض دو منزلہ ہیں۔ وہ مضر صحت ہیں۔ اور ہوا کی آمد و رفت کا ان میں کوئی انتظام نہیں۔ طالب علم کمروں کے بیچ غسل کرتے ہیں۔ اور خود چولہوں پر روٹی پکاتے ہیں۔ اور ایک ایک کمرہ میں دو دو یا تین تین ہو کر فرش پر ہی لیٹ رہتے ہیں۔ کمرے تنگ و تار ہیں اور ان میں سخت بدبو آتی ہے۔ میری قسمت کا پھیر دیکھئے۔ کہ مجھے ایسی جگہ میں پانچ سال رہنا پڑا۔ حالانکہ ابھی میری عمر نشو و نما پانے کی تھی۔

ان مدرسوں کے طالب علموں کی زندگی مشرقی راہب خانوں کے طالبوں کی مانند

گذرتی ہے۔ وہ خود اپنا کھانا پکاتے ہیں۔ خود کمرے صاف کرتے ہیں۔ خود بستر بچھاتے ہیں۔ اور خود اپنے کپڑے دھوتے ہیں۔ ان تمام طالب علموں کو یہ سب کام صرف اپنے ہی نہیں کرنے پڑتے بلکہ مدرسہ کے متولی یا استاد کے بھی جس کے کمرے میں وہ رہتا ہو۔ بعض طالب علم نہایت مفلس اور غریب ہوتے ہیں۔ وہ رمضان کے مہینہ میں مختلف شہروں۔ قصبوں اور قریوں کی طرف وعظ کرنے جاتے ہیں۔ خیرات نذر وغیرہ کا روپیہ جمع کر کے اپنے مدرسوں میں پھر واپس آجاتے ہیں۔

سوختائیوں نے بعض انقلابوں میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے کیونکہ کوشش اُن کی حمایت پر ہوتے تھے۔ وہ بڑی بڑی مسجدوں کے صحنوں میں اپنے لمبے لمبے چوغوں کے نیچے ہتھیار اور سونٹے چھپائے ہوئے جمع ہوتے۔ اور رعایت کا ایک ہجوم اُن کے پیچھے ہوتا جن وزیروں نے سلطان عزیز کو معزول کیا تھا۔ اُن کو سوختائیوں نے بڑی قابل قدر مدد دی تھی۔ جب مدحت پاشا موجودہ سلطان کو پارلیمنٹ بنانے کا مشورہ دے رہا تھا سوختائی اُس کی مدد پر تھے۔

ایک شخص مسمی سودی آفندی جو ینگ ٹرکش تحریک کے بانیوں میں سے ایک ہوا ہے۔ خود بھی سوختائی تھا چند سال ہوئے ہیں۔ اُس نے سلطان کے محل پر ہتھیار بند ہو کر سرکشی کیا تھا اُس کے ساتھ کئی سوختائی شریک تھے جن میں سے زیادہ تر ہلاک ہو گئے تھے۔ موجودہ سلطان ہر ایسی چیز کو جو اُسکی مطلق العنانی کے راستہ میں حائل ہو پامال کرنے میں ایسی کامل مہارت اور قدرت رکھتا ہے کہ یقینی طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔ اُس نے یہ خیال کر کے سوختائی اس کے برخلاف کسی کے ہاتھ کا پولیٹکل آلہ بن جائیں ان کے اقتدار کو ایسا ملیامیٹ کیا ہے کہ اب نام و نشان تک نہیں ملتا۔ اس شخص کے تمام بیان کا جواب آگے مفصل طور پر دیا جائیگا۔

جن دنوں میں مدرسہ میں پڑھتا تھا میرا چچا مجھکو ماہوار ۲۰ پیسے خرچ اور [illegible] میری روٹی وغیرہ کیلئے اُس اُستاد کو دیا کرتا تھا جس کے کمرہ میں رہتا تھا۔ یہ رقم ایک شخص کیلئے جو ایسیوں کی زندگی بسر کرتا تھا کافی تھی [illegible] قسطنطنیہ [illegible] استنبول خود مفتی شہری انسان [illegible] مگر سیاست کا علم پورے طور پر [illegible] کیونکہ [illegible] اور [illegible] ہو کر میں [illegible] اور [illegible] قوم [illegible] اسکی [illegible] قسطنطنیہ آیا کرتا تھا [illegible] ☙

پانچواں باب

نئے پروفیشن کا اختیار کرنا۔ اور فوجی خدمت کا مسئلہ

یوروپینوں کے برخلاف میرے تعصب میں پہلی تخفیف۔ نوانجی رہبر۔ چچا کی ناکام کوششیں۔ انگلستان جانے کی خواہش کا آغاز۔ ایشیائے کوچک کا گرمائی سفر۔ ایک انگریزی قنسل۔ اسکی بیوی اور میری ماں۔ مشرقی حجرہ حرم کا دورہ۔ اعلے زندگی بسر کرنے کا خیال۔ میرا ثانوی سکول میں داخل ہونا۔ ترکی کا قانون۔ انگریزی کتب کی بے اعتنائی۔ ترکی کی عدالتیں۔ نیم مذہبی عدالتیں۔ عدالتوں پر محل کا اثر۔ میرا فوجی خدمت کے لئے طلب ہونا۔ مشکل سے بچ جانا۔ فوجی بھرتی کا طریقہ۔ ترکی میں عیسائیوں کا فوج میں نہ لیا جانا۔ اس پالیسی کے فوائد۔

بلدے میں جب بیعت کے تین سال کٹ چکے۔ تو تعطیلات کے ایام میں میرے چچا نے مجھ کو وطن جانے کی اجازت دی۔ اس وقت پہلی بار یوروپینوں کے برخلاف میرے تعصب میں تخفیف ہونی شروع ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت میں مدرسہ کے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ کہ ایک نوجوان یورپین ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ ایا صوفیہ کی مسجد سے نکلا۔ اُن کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اور ایا صوفیہ کی مسجدوں کو جب کبھی یورپین دیکھنے آتے ہیں۔ تو پاس کے رہنے والے انگشت حیرت دانتوں میں لیتے ہیں۔ ان دونوں نے ایک شہتوت کے درخت کی طرف جو میوہ سے معمور تھا۔ دیکھا۔ اسی وقت ایک شہتوت کا دانہ نیچے گرا۔ اور نوجوان یورپین نے اٹھا کر آہستہ لیڈی کو دیا۔ لیکن اُن کی طرف ندامت سے دیکھا۔ وہ چل پڑے۔ اور کسی قدر سنجیدہ خاطر معلوم ہونے لگے۔ میں نے اُن کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنی جوتی اتار کر درخت پر چڑھ گیا۔ پکے ہوئے شہتوتوں کو توڑا۔ اور دامن کو دوپٹہ میں رکھ کر لیڈی کے سامنے پیش کیا۔ میری اس حرکت سے وہ دونوں بہت خوش ہوئے۔ اُن کے ساتھ کوئی رہبر نہ دیکھ کر

میں بہت خوش ہوا۔ رہبری کا کار لیوانٹ کے غیر مسلم لوگ کرتے ہیں۔ اور وہ بڑے مکار اور جھوٹے ہوتے ہیں۔ سفید جھوٹ بولنا۔ اجنبیوں کو دھوکہ دینا اُن کے بائیں ہاتھ کا معمولی کرتب ہے۔ وہ یورپین جو لیوانٹ کی سرسری سیر کر کے جھٹ قلم دوات پکڑ کر اپنی سیاحت کے حالات قلمبند کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کی واقفیت کا سارا دار و مدار ان بے ایمان راہبروں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ میرے ایک ہم ملک نے کہا "جب ہم اپنے متعلق یہ کتابیں خاصکر انگریزی کی پڑھتے ہیں۔ تو ہمیں ہمیشہ اپنے اپنے بابتہ کوئی نہ کوئی ایسی خبر معلوم ہو جاتی ہے۔ جس کا ہم کو خود بھی علم نہیں ہوتا" اُن دنوں سلطنت عثمانیہ میں انگریزوں کی دوسرے یورپینوں کی نسبت بہت زیادہ تعظیم کیجاتی تھی۔ اور جو یورپین سیاح آتا تھا۔ خیال ہوتا تھا۔ کہ یہ انگریز ہی ہوگا۔ میں نے بھی اُس نوجوان اور لڑکی کو انگریز ہی سمجھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ واقعی انگریز تھے یا نہیں۔ ہم سلام کر کے ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ مگر مجھے بڑا افسوس ہوا کہ اپنی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہ جاننے کے سبب میں اُن سے گفتگو نہ کر سکا۔ تاہم اُس وقت سے مجھے انگلستان آنے کا شوق و خیال پیدا ہو گیا۔ مگر میں اُس خیال کو کسی پر ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ مدرسہ کے لوگ میرا یہ خیال سُنکر کانپ اُٹھتے۔ اور شاید یہ بھی خیال کر لیتے کہ میں عیسائی ہو چلا ہوں۔

اِس واقعہ کے تھوڑے عرصہ کے بعد میں اپنے وطن کیطرف روانہ ہوا۔ حسن بابٹی کے ساتھ میں نے سفر کیا۔ اُس نے اُس راستے سے جس سے کہ میں تین سال قبل قسطنطنیہ آیا تھا۔ الگ راستہ اختیار کیا۔ اسطرح سے مجھے اناطولیہ کے ملک کے دوسرے شہر دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ جب میں اپنے شہر پہنچا۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ میری ماں اپنے پرانے مکان میں چلی گئی ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ہمارے پرانے مکان کے پاس ایک انگریز کانسل معہ بال بچوں کے کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہوا۔ اُس شہر میں صرف وہی انگریز نہیں بلکہ یورپین تھے۔ جو اُسوقت موجود تھے۔ کیونکہ اناطولین ریلوے کی ابھی تک تجویز بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور یورپینوں کے لئے وہاں کوئی کام نہ تھا۔ کیونکہ صاحب بقول آپ کے سلطان تو سڑکیں بنانے سے جھجکتے تھے۔ کہ کہیں یورپین نہ آ جائیں۔ اور اصل حال سے واقف ہو جائیں۔ اب اناطولین ریلوے کے بچھ گئی

اور یورپین کہاں سے آ گئے۔ مترجم۔) ایک دن جب کہ میں پاس کی جھیل میں مرغابیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ میں نے اُس انگریز کانسل سے واقفیت پیدا کرلی۔ وہ ترکی زبان اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اور ہم جلدی ہی ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے۔ میں نے اُس سے پھر ملاقات ہونے کا وعدہ لیا۔ تاکہ اکٹھا شکار کھیلنے جائیں۔ جب میں اُس سے زیادہ بے تکلف ہو گیا تو اُس نے میرا تعارف اپنی بیوی سے کرا دیا۔ جو ہمارے ملک کی مستورات سے بالکل ہی ملتی جلتی تھی۔ اُس سے ملاقات کرتے ہی مجھے خیال گذرا کہ اس لیڈی اور میری ماں کی آپس میں ملاقات ہونی چاہیئے۔ یہ معاملہ بڑا نازک تھا۔ اگرچہ اپنی ماں کے خیالات کے مطابق بھی اس لیڈی کو ہر طرح مرغوب خاطر پاتا تھا۔ مگر پھر بھی ڈرتا تھا کہ یہ آخر کافر ہے۔ تاہم میں نے اپنی ماں کو راضی کر لیا۔ اور وہ انگریزی لیڈی سے مل کر شرماتے شرماتے۔

چونکہ لیڈی ترکی زبان اچھی طرح نہیں بول سکتی تھی۔ انہوں نے آپس میں بہت کم بات چیت کی۔ باوجود اس بات کے میری ماں نے اسکو بڑا پسند کیا۔ بعد میں وہ اکثر افسوس کیا کرتی تھیں کہ ایسی پری ہو کر وہ مسلمان کیوں نہ ہوئی۔ میں کانسل سے اُس کے بارہ میں اکثر سوال کیا کرتا۔ اور میرا خیال ہے میرے سوال احمقانہ ہوتے تھے۔ کیونکہ جب میں سوال کرتا وہ خندہ پیشانی سے جواب دیکر اپنی زبان میں کچھ گفتگو کرتے اور سارا وقت قہقہ کرکے ہنستے رہتے۔ میں اپنے ملک کے لوگوں کی تنگ خیالی اور تعصب سے یہاں تک ڈرتا تھا کہ اپنا انگلستان جانے کا خیال کانسل کو میں نہ بتاتا تھا۔ جب تین ماہ کی رخصت گذر گئی تو میں پھر قسطنطنیہ کیطرف روانہ ہو گیا۔ کیونکہ اب میں پرانا طالب علم ہو گیا تھا۔ استاد کی نوکری اب مجھ پر واجب نہ رہی۔

میں اور ایک دقیانوسی طالب علم ایک کمرہ میں رہنے لگے۔ اس سال میں نے اسلامی شرع پڑھنی شروع کی۔ اسکی تعلیم اکثر عربی زبان میں دیجاتی ہے۔ مدرسہ میں دو سال اور گذر گئے۔ اور میں نے موسم گرما کی تعطیلوں میں کسی نئے ملک کی سیر کرنے کا ارادہ کیا۔ پس میں ایک افریقی جہاز پر بیروت کی طرف جہاں میرا ایک رشتہ دار رہتا تھا۔ روانہ ہوا۔ راستہ میں میں نے سمرنا قیام کیا۔ اور جاوس۔ اور سی آسٹیلی کے ترکی جزائر کی سیر کی۔ اثنائے سفر میں میں نے بہت سے ایسے نوجوان دیکھے جو جدید

کالجوں میں تعلیمی کورس پورا کر کے گورنمنٹ کیطرف سے مختلف اضلاع میں مقرر کئے گئے تھے۔ ان کی تنخواہ اسوقت مجھے بہت معقول معلوم ہوتی تھی۔ ان کو دیکھکر میرے دل میں خیال گذرا کہ دقیانوسی تعلیم پر میں نے یونہی اتنے برس ضائع کئے۔ چلو اب کے جدید تعلیم سے بہرہ ور ہوں۔ جب میں مشورہ کر رہا تھا۔ مجھے اپنی آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے کون سے کالج میں داخل ہونا چاہیئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ نو قایم شدہ قانونی کالج کا امتحان داخلہ تین ماہ کے اندر اندر ہونے والا ہے۔ گورنمنٹ کو نئی عدالتوں کے لئے تعلیم یافتہ افسروں اور بارروم (وکلاء کی جماعت) کیلئے لایق وکیلوں کی ضرورت تھی۔ میں نے اس میدان میں قسمت کے سمند کو گام زن کرنے کی ٹھان لی۔ ملٹری اکیڈمی کے ایک نوجوان افسر نے جو ہمارے مدرسہ کے پاس رہتا تھا۔ از راہ مہربانی و شفقت مجھے حساب و جغرافیہ کے گر بتائے۔ میں اون دونوں میں بڑا کمزور تھا۔ میں نے امتحان داخلہ پاس کر لیا۔ اور قانونی کالج میں داخل ہو گیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے۔ جدید درس گاہوں کی ترقی کو سلطان روک رہا ہے اس کی بڑی خواہش یہ ہے کہ آزادی کے خیالات کو ملیامیٹ کرے۔ (اسکی پوری کافی تردید کر دی گئی ہے۔ مترجم) تاہم میں باب عالی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب سے جدید درسگاہیں قائم ہوئی ہیں۔ اون کا خرچ سرکاری خزانہ سے ہو جاتا ہے اور ہر مذہب و ملت کے لوگ ان سے استفادہ اوٹھا سکتے ہیں۔ ذرا اس شخص کی چالاکی دیکھیے۔ ایک طرف تو سلطان پر مطلق العنانی اور تعلیم کے مٹانے کا الزام لگاتا ہے اور دوسری طرف باب عالی کی تعریف کرتا ہے کیا باب عالی سلطانی اقتدار سے باہر ہے؟ اگر باہر ہے تو سلطان مطلق العنان نہ رہا۔ بلکہ اس کی حیثیت تو ایک جمہوری سلطنت کے پریزیڈنٹ جتنی بھی نہ رہی۔ کہ وہ جو کچھ چاہتے اور اس کے متعلق کچھ کریں۔ اور اسکو عضو معطل سے زیادہ نہیں۔ اور اگر باب العالی سلطان کے حیطۂ اقتدار میں اور اس کے حکم کا غلام ہے اور فی الواقع ہے۔ تو اس کے کام سلطان کے کام ہیں۔ اور تعلیمی معاملات میں اس کی سرپرستی سلطان کی سرپرستی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص آخر میں خود ہی اس بات کے ماننے پر مجبور ہوا ہے کہ موجودہ سلطان کے ظل عاطفت میں تعلیم کو پیش از پیش ترقی اور رونق ہو رہی ہے مگر معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص نے

سلطان عبد الحمید کو سلطان عبد العزیز مراد سمجھکر کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا ہوگا۔ مگر اس کی... کامل و مکمل باخبری کے سامنے دال نہ گلی ہوگی۔ ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد جب بنتا یا بیٹھتے نہ دیکھی تو دل کے پھپھولے پھوڑنے کے واسطے انگلستان میں آگیا۔ اور واہی تباہی بکنے اور چھاپنے لگ گیا۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی اس لئے پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ کہ عام مسلمانوں کو آگاہی ہو جائے۔ کہ اس وقت جو شخص خلافت کے جہاز کا ناخدا ہے۔ وہ ایسا مدبر اور زمانے سے باخبر ہے کہ اسکی بدترین اور ذاتی دشمن بھی اسکی تدبیر فہم و فراست کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس کے برخلاف ان کو کوئی بھی ایسی بات یا واقعہ دستیاب نہیں ہو سکتا جو سچا ہو لیں وہ ادہر ادہر کی من گھڑت باتیں اور جھوٹے واقعات لکھکر اس کی تقدس مآب ذات پر دہبہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں سگ چاند کو دیکھکر بھونکا ہی کرتے ہیں۔ مترجم)

ہمارے قانونی کالج کے پہلے سال کی جماعت میں چھیالیس طلباء تھے جن میں صرف ارمنی ہی تیرہ تھے۔ قسطنطنیہ کے قانونی کالج کے نصاب مضامین کا ذکر کرنے سے میں سلطنت ٹرکی کے قوانین و ضوابط اور اس کی عدالتوں کا کسی قدر خاکہ کھینچنے کے قابل ہو جاؤں گا۔

ان چند مضامین کے علاوہ جو لیگل پریکٹیشنروں (مختاروں۔ وکیلوں بیرسٹروں اور لیگل افسروں) کو پڑھنے ضروری ہیں۔ قانون اور ضابطہ دیوانی۔ قانون ضابطہ فوجداری قانون اراضی۔ قانون تجارت۔ خلاصہ انتظامی قواعد۔ باب حد بارہ قانون باہمی [illegible] عہد نامہ حوالگی وغیرہ وغیرہ پر لیکچر دئے جاتے ہیں۔ ضابطہ دیوانی ان قواعد سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو عہد خلفاء عباسیہ سے لیکر متقدمین عثمانی سلطانوں کے عہد تک مروج رہے ہیں۔ اور جو عربی کتابوں میں مندرج ہیں۔ اور جن کو پہلے سلطان مفتیوں نے مرتب کر کے ان کی شرح لکھی تھی۔ لہذا ٹرکی کا دیوانی ضابطہ بالکل اسلامی شرع پر مبنی ہے۔

اس کو بلاد مشرق کے عالم اور فاضل مسلمانوں کی ایک بورڈ نے مرتب کیا تھا یہ بورڈ پچھلے سلطان کے عہد میں قائم کیا گیا تھی۔ اور اس نے سترہ سال کی محنت شاقہ

کے بعد موجودہ ضابطہ قوانین وضع کئے گئے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹرکی کا قانون دیوانی اُن بہت سی یورپین اقوام کے قانون دیوانی سے ملتا ہے۔ جنہوں نے رومن لا سے مدد لی ہے۔ ٹرکی کا ضابطہ دیوانی کچھ فرانسیسی سسٹم پر بنایا گیا ہے اور کچھ ان رسومات کے مطابق جو قدیم ٹرکی عدالتوں میں رائج تھیں۔ قانون اراضی میں کچھ تو اسلامی شرع کے مطابق اور کچھ ان قواعد کے مطابق جو پہلے سلطنت میں نافذ تھے۔ ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ قانون ان یورپینوں کے لئے موجب مسرت ہے جو ٹرکی میں رہتے ہیں۔ جہاں تک تو ان کے دیوانی و فوجداری مقدمات کا تعلق ہے وہ ٹرکی قانون کی رو سے باہر نہیں۔ مگر قانون اراضی اُن پر ایسا ہی عاید ہے جیسا کہ دیگر سلطانی رعایا پر۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا ہے۔ دول عظیم نے باب عالی سے مطالبہ کیا کہ ان کی رعایا کو ٹرکی عملداری میں جائداد حاصل کرنے کے حقوق عطا کئے جائیں۔ اس مطالبہ کے جواب میں باب عالی نے اصرار کیا ہے کہ دول اُن قانونی مراعات سے دست بردار ہوں۔ جو اُن کی رعایا کو حاصل ہیں۔ اور جہاں تک رہن و بیع زمین یا اس کے متعلقہ تنازعات کا تعلق ہے۔ ان کو (رعایاء دول غیر کو) ٹرکی قانون کے تابع کیا جائے۔

ضابطہ و قانون فوجداری۔ عدالتوں کے آئین و قوانین۔ بالکل فرانس کے جوڈیشل سسٹم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ قانون تجارت کچھ تو فرانس اور کچھ ہالینڈ کے قانون سے نقل کیا گیا ہے۔ عہد نامہ پیرس کے وقت سے یورپین ممالک خاص کر فرانس کے کئی قوانین سلطنت میں رائج کئے گئے ہیں۔ بہت سی صورتوں میں وہ اقتصادی حیثیت لیوانت کی مقامی ضروریات کے خیال کئے بغیر نافذ کئے گئے ہیں۔ یورپین دول کا باب عالی پر اصلاحوں کی ترویج کے لئے زور دینے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ لیگل اور ایڈمنسٹریٹو قانون بغیر سوچے سمجھے سٹیٹ ریگولیشن میں شامل کر دئے گئے ہیں۔ منجملہ بالا سطور سے ٹرکی کے قوانین و ضابطہ کی کچھ کیفیت معلوم ہو گئی ہوگی۔ اگر تم ٹرکی قوانین سے متعلقہ بہترین کتابیں مطالعہ کرو۔ تو اس میں یہ ایک فقرہ پاؤ گے۔ "سلطنت کے تمام بنیادی قوانین احکام قرآنی پر مبنی ہے" بعض میں تم یہ فقرہ پاؤ گے "سلطنت کے تمام بنیادی قوانین احکام قرآنی پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم کے بعد قوانین ملتقی الابحر

ہیں یہ قوانین ملتقی احادیث و اقوال پیغمبر سرور کائنات اور آنجناب کے خلفائے راشدین کے فیصلہ جات اور اجتہادات کے مجموعہ کا نام ہے۔ مترجم۔ ترکی قوانین کا یہ علم کوئی شک نہیں۔ معاملات ترکی سے متعلق پادری کنیبی میکولیا کی تیز اور فضول تحریرات سے حاصل کیا گیا ہے۔ میں نے اپنے انگریز احباب کو کتنی ہی دفعہ بتلایا ہے کہ اس ملک میں نیز ترکی مشرق کے بارہ میں سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ایک ہی جواب دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ آج کل انگریز معاملات روم میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ انگریزوں کی اسی بے پروائی کا ہی نتیجہ ہے کہ پرائیوٹ میں ان کا رسوخ خاک میں مل گیا ہے۔

اگر ان کتابوں کے ایڈیٹروں اور مولفوں کا بھی یہ ہی خیال ہے۔ کہ انگریز آج کل سلطنت ترکی میں کوئی انٹرسٹ نہیں لیتے۔ تو میری رائے میں ان کے لئے زیادہ تر مناسب یہ ہے کہ قصے کہانیاں اور غلط واقعات لکھنے کی بجائے ترکی کے متعلق کچھ لکھا ہی نہ کریں۔ ترکی کی عدالتیں دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ قدیم عدالتیں اور اصلاح یافتہ یعنی نئی عدالتیں۔

قدیم عدالتیں شیخ الاسلام کی ماتحت ہیں۔ اور وہ نیم مذہبی رنگ کی ہیں۔ ان کو آج کل بہت تھوڑا کام کرنا پڑتا ہے۔ ان میں صرف وراثت۔ طلاق۔ شادی اور ہمچو قسم دیگر معاملات جو صرف مسلمانوں کے ہوں تصفیہ پاتے ہیں۔ اس قسم کے عیسائیوں کے مقدمات ان کے اپنے اپنے طبقہ کے بڑے پادری کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ ان عدالتوں کے ماسوا جو ملکی افسروں کی تحقیقات کے لئے مقرر ہیں۔ تمام ہی عدالتیں وزیر عدالت عامہ کے ماتحت ہیں۔ دوسرے بڑے بڑے محکموں کی عمارات کی طرح عدالت عامہ کی عمارتیں بھی نہایت شاندار اور وسیع ہیں۔ اور پرانے محل کے باہر سٹیٹ صوفیہ کے سامنے واقعہ ہیں۔ دیوانی و فوجداری عدالتوں کے تین درجے ہیں۔ عدالت ابتدائی۔ عدالت اپیل۔ عدالت عالیہ۔ اور تجارتی عدالتیں ہیں تنازعات سے متعلق۔ ایک ہی بحری تجارت کے تنازعات فیصلہ کئے جاتے ہیں۔ دوسری بری ملکی تجارت کے۔ ملکی تجارت کی عدالت میں بہت سے اجنبی ممبر بھی شامل ہیں۔ مگر ان کو عثمانیہ گورنمنٹ مقرر نہیں کرتی۔ بلکہ اجنبی نامزد کرتے ہیں۔ یہ اجنبی ممبران تمام مقدمات

میں موجود رہتے ہیں۔ جو ترکی رعایا اور اجانب کے درمیان ہوں۔

قدیم نیم مذہبی عدالتوں میں جب کہ وہ قائم ہوتی ہیں اور جبکہ وہ دیوانی و فوجداری مقدمات میں فیصل کرتی یعنی اب تک انگریزی عدالتوں کی طرف سے صرف ایک ہی جج مقرر ہوتا ہے۔ مگر نئی عدالتوں میں چیف جج کے علاوہ ڈپٹی جج بھی ہوتے ہیں۔ یا بالفاظ دیگر یہ کہو کہ نئی ترکی عدالت میں ایک پریذیڈنٹ اور چند ممبر مل کر مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس خاص طریقہ کے رائج کرنے سے اُن شکایات کا انسداد نہیں ہو سکا۔ جو پرانی عدالتوں کے برخلاف کی جاتی ہیں۔ چونکہ ترکی میں مختلف قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ایک ہی عدالت میں مختلف مذہب و ملت کے چند جج مقرر ہونے سے (جیسا کہ مجھے بتایا ہے) بلکہ اور زیادہ بے ایمانی اور طرفداری کا احتمال ہے۔ حمیدی مظالم سے لوگوں کا اعتبار نئی عدالتوں پر نہیں رہا۔ لائق لائق افسر یا تو جلاوطن کر دیئے جاتے ہیں۔ یا سلطنت کے انتہائی شہروں میں مقرر کئے جاتے ہیں۔ اعلےٰ عدالتیں محل کی پارٹی کے آداروں سے بھری پڑی ہیں۔ اور یہ آدارے انصاف پر اسی پارٹی کی خواہش کو بدرجہا زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ سلطان نے ابھی ابھی ان کو نام حکم صادر کیا ہے۔ کہ جو شخص اس کی ظالمانہ حکومت پر نکتہ چینی کرے۔ اُس کو سزا دیں پچھلے دنوں میں ایک سے بے گناہ آدمی یا تو پھانسی دیئے گئے۔ یا جلاوطن کئے گئے۔ اور اُن کی جائدادیں غداروں کے جرم میں ضبط کی گئیں۔ اس شخص نے بالکل جھک ماری ہے حالانکہ امر واقعی یوں ہے۔ کہ سلطان عبدالحمید نے معدلت عامہ و دادخواہی۔ اور ارتکاب جرائم کے انسداد کا انتظام نہایت ہی قابل تعریف طور پر کیا ہے۔ حقی بے جو ایک بے غرض مصنف ہے۔ اس بارہ میں یوں لکھتا ہے۔ سلطان عبدالحمید خاں کے عہد میں معدلت عامہ کے قوانین میں بہت سی ترقی ہوئی ہے۔ مضافات میں جا بجا عدالتیں قائم ہوئی ہیں۔ اور ایڈوکیٹ جنرل اور پبلک پراسیکیوٹر (سرکاری وکیل) اسی عہد کی ایجاد ہیں۔ اور ججوں کے تقرر اور ان کے تقرر کے معقول سامان ہوئے ہیں۔ جن سے انہیں اپنی ترقی اور لیاقت اور تندہی کا کامل اعتبار ہو سکے۔ اور وہ دیانت داری سے اور بے رو و رعایت اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکیں ضابطہ دیوانی و فوجداری کا نفاذ بھی اسی عہد میں ہوا۔ اور علاوہ بریں مدرسہ قانون کا کھلنا بھی اسی زمانہ کی ایجاد ہے جس سے عدالتوں کو انفصال مقدمات میں زیادہ مدد ملتی ہے۔ اسی عہد میں پولیس کی از سر نو تربیت ہوئی۔ اور وہ بلاں دستور جس کے دباؤ سے

ملٹری پولیس اور سول پولیس ایک دوسرے سے علیحدہ تھی۔ یک دم موقوف ہوا اس پولیس سے سلطنت کو بڑے فوائد پہونچے ہیں۔ اور پرانے قاعدے سے سخت بدنظمی ہوتی تھی۔ اب ملٹری پولیس محکمہ جنگ سے متعلق کردی گئی ہے۔ اور سول پولیس لوگوں کے جان ومال کی حفاظت کے لئے متعین ہے۔ عدالتی کارروائی کو سلطان عبدالحمید اتنا عام اور برملا کرنا چاہتے ہیں۔ کہ بعض اوقات وہ پولیٹیکل مجرموں کی تحقیقات میں علانیہ عدالتوں میں کرادیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں مجرموں کی تحقیقات اور ملکوں میں سات پردوں کے اندر قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً قاتلان سلطان عبدالعزیز مرحوم کی تحقیقات اونہوں نے کھلے طور پر کردی۔ اور سرکاری وکیل بھی مقرر کئے۔ اور ملزموں کو اجازت دی کہ اگر چاہے تو پیروی مقدمہ کے لئے وکیل مقرر کرسکتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کئی مہینوں تک مدحت پاشا اور اس کے رفقا کی علانیہ تحقیقات جاری رہی۔ اور ملزموں کو بعد لگانے فرد جرم کے ڈفینس کا کافی موقع دیا گیا۔ اور بعض اون میں سے جو بیگناہ ثابت ہوئے۔ بری ہوئے۔ اور جن لوگوں پر جرم ثابت ہوا۔ ان کو سزا دی گئی۔ اس سے زیادہ نصفت شعاری کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ ایک شخص باوجود اختیار کے اپنے اور اپنے خاندان کے دشمن بلکہ سلطنت کے دشمن کو پورا موقع دیتا ہے کہ اپنا باضابطہ ڈفینس کرے۔ وہ بادشاہ وقت تھے اور اگزکیٹو گورنمنٹ کے با اختیار اعلےٰ افسر ہونے کی حیثیت میں اونہیں کامل اختیار حاصل تھا۔ کہ فقط شبہ پر ایسے مجرموں کو سزائے موت دیتے۔ جیسا کہ ہر ایک مہذب سلطنت میں بوقت ضرورت ہوا کرتا ہے۔ مگر سلطان کی معدلت گستری نے انہیں ایسا کرنیکی اجازت نہ دی۔ اور انہوں نے اسطرح عمل کیا جو ایک منصف مزاج بادشاہ کا اصول ہونا چاہئے مترجم)

جب میں اخیری امتحان کی تیاری کررہا تھا۔ مجھے کالج کے ڈائرکٹر نے اطلاع دی کہ مجھے صیغہ جنگ سے ایک چٹھی موصول ہوئی ہے۔ کہ اس سال کی بھرتی میں تمہیں شامل ہونا ہے۔ یہ خبر میرے لئے سخت منحوس تھی۔ کیونکہ میں نے نئے پروفیشن کے اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور مدرسہ چھوڑ دیا تھا۔ مدرسوں کے وہ طلبا جو عربی اور اس زبان میں دیگر مضامین کا امتحان پاس کرے۔ اون کو فوجی خدمت سے بری کردیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارا کالج بھی ایک تعلیمی مرکز تھا۔ اور اب کچھ عرصہ سے اس کے

طلباء بھی خاص خاص صورتوں میں فوجی خدمت سے معاف کئے جاتے ہیں۔ مگر فوجی حکام اس سے بالکل بے خبر تھے۔ اور جن کو خبر بھی تھی وہ اسکی پروا نہ کرتے تھے۔ اور ہر شخص پر فوجی خدمت لازمی قرار دینے کے خواہاں تھے۔ مجھے قسطنطنیہ کے صیغہ جنگ اور اناطولیا کے فوجی ڈویژن کے افسروں سے معافی حاصل کرنے کے لئے سخت جد و جہد کرنی پڑی۔ اور اس روک سے میرے امتحان کی تیاری میں بڑا فرق پڑ گیا۔ اور مجھے دوسرے درجہ میں ہی پاس کرنے پر قانع ہونا پڑا۔

میں ایک سپاہی کی زندگی بسر کرنے سے نہیں ڈرتا تھا۔ بزدلی عثمانیوں کی گھٹی میں داخل ہی نہیں کی گئی۔ جب میں پہلے پہل قسطنطنیہ آیا۔ تو میرا ارادہ فوجی سکول میں داخل ہونے کا تھا۔ میرے چچا نے میری بات نہ مانی اور مجھ کو مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ اور چند سالوں کے بعد سپاہی بن کر فوج میں جانے سے میری ساری آئندہ امیدوں کا خون ہوتا تھا۔ اور ایسا اتفاق تو بہت ہی کم ہوتا ہے کہ ایک سپاہی کو ترقی دیکر افسری کے عہدہ پر پہنچایا جاوے۔

ٹرکی میں فوجی بھرتی کا طریقہ دیگر فوجی ممالک سے جداگانہ ہے۔ اگرچہ سلطنت روم میں فوجی خدمت لازمی ہے۔ مگر رنگروٹ عام طور پر بھرتی نہیں کئے جاتے ہیں قسطنطنیہ اور تمام سرحدی اضلاع کے باشندے جیسے کہ البانوی اور کرد اور عرب فوجی خدمت پر مجبور نہیں کئے جاتے۔ مزید برآں۔ ارمنی۔ یونانی اور غیر مسلم فوجی خدمت کے مستوجب نہیں۔ مگر وہ بدل عسکریہ یا محصول بریت ادا کرتے ہیں۔ جو اگر میں غلطی نہیں کرتا ہر عمر کے مردوں سے فی کس چھ شلنگ البیہ کے حساب سے سالانہ لیا جاتا ہے بہت سے عیسائی اس محصول سے بچنے کے لئے بڑی چالاکی کرتے ہیں۔ اور شور مچاتے رہتے ہیں۔ کہ محصول بہت زیادہ ہے۔ وہ اپنے یورپین ہوا خواہوں کے آگے شکایات کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض انگریز پولیٹشین اپنے مظلوم عیسائی بھائیوں کی مدد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور ترکوں کو ظالم اور وحشی کہہ کہہ کر صلواتیں سناتے ہیں۔ ہمدردی بنی نوع انسان اور عیسائیت کے نام پر اخبارات میں مضمون شائع کرتے ہیں۔ اور پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر گلا پھاڑ پھاڑ کر لیکچر دیتے ہیں۔

بعض اوقات تم ٹرکی کے عیسائیوں کی شکایت کرتے ہوئے سنو گے۔ کہ ہم سے

یکساں سلوک نہیں کیا جاتا " ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کو فوج میں کیوں نہیں لیا جاتا۔ مگر یاد رہے۔ یہ شکایت محض دکھاوے کی۔ اور ٹرکی کے برخلاف فاسد خیالات پھیلانے کی غرض سے کیجاتی ہے۔ ورنہ فوجی خدمت سے آزاد ہونے کے باعث وہ دل بڑے خوش ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جنگ میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کو یہ امر بخوبی معلوم ہے کہ فوج میں بھرتی ہونے سے کیا کیا مادی نقصانات اوٹھانے پڑتے ہیں۔ سالوں تک گھر والوں کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ان سے یہ امر بھی مخفی نہیں کہ فوجی خدمت دینے والوں کی تعداد کم ہوجاتی ہے۔ میں ان ترکوں میں سے نہیں۔ جو ترقی و تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ اور جو آئے دن نصیحت دیتے ہیں۔ کہ ترکی فوج میں مشرقی عیسائی بھرتی ہوتے جائیں۔ خواہ اس بارے میں مجھ کو جاہل متعصب ہی کہیں۔ مگر جہاں تک میری قوم کی اغراض کا تعلق ہے میں اس طعن کی پروا نہیں کرتا۔

اگر ٹرکی فوج میں عیسائی شامل کرلئے جائیں۔ تو فرمانبرداری۔ جاں فروشی بیجگری ایثار نفسی۔ تہور و شجاعت کے وہ جوہر کہاں ہوں گے جن کے باعث اسوقت ہماری فوج چاردانگ عالم میں مشہور ہے۔ یہ ترکی فوج کا ہی رعب اور سک ہے کہ ہماری سلطنت کے دشمن اور بدخواہ ہمارے علاقوں پر دست درازی کرتے ہوئے سہمتے ہیں۔ ورنہ مدت گذر گئی ہوتی کہ یہ یورپین مدعیان ترقی و تہذیب اسکی تکہ بوٹی کرکے آپسمیں بانٹ لیتے ہماری فوج نے میدان جنگ میں ایک ماہ کے اندر اندر اس قوم کو چاروں شانے چت گرا دیا ہے۔ جن کے پاس ۸۰ ہزار مرد آزما جوان تھے۔ اور جس کی مدد پر سارا یورپ تلا ہوا تھا۔ میدان کارزار میں ہماری فوج کی مردانگی و شجاعت دیکھکر ایک جرمنی مبصر جنگ بے اختیار کہہ اٹھا تھا۔ "آہا کیسی شاندار فوج ہے" اور ایک انگریزی فوجی نامہ نگار یوں رقام کرتا ہے کہ "اگر سکندر اعظم اپنی قبر سے اٹھکر آجائے۔ تو ترکی فوج سے ساری دنیا کو زیر و زبر کردے" اب سے پچیس سال پہلے بغیر کسی یار و مددگار کے اس فوج نے پلیونا پر ایک سال تک دنیا کی سب سے بڑی فاتح و زبردست سلطنت کو وہ چنے چبوائے کہ اسکو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا تھا۔ اور اگر موجودہ سلطان کی بدتمیزی اور بد انتظامی اپنا تباہی بخش اثر نہ ڈالتی تو کوئی شک نہیں۔ یہ دلاور

ترک روسیوں کو مار کر دریائے ڈینیوب کے پار بھگا دیتے۔ خیال کرو۔ اگر اس فوج میں یونانی۔ ارمنی یا شام کے غیر مسلم سپاہی شامل ہوتے تو روس کے برخلاف یہ ایسے کارہائے نمایاں دکھاتے۔ کوئی شک نہیں۔ روسی فوج میں بہت سے مسلمان سپاہی شامل ہیں اور روس و روم کی جنگ میں وہ خوب ہی جی توڑ کر لڑے تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ اگر وہ ذرا بھی غداری یا سرتابی کرتے۔ تو کیا ٹرکی ان کو روس کی طرح سزا دے سکتی تھی۔ اس سزا کو یورپ ظلم پر محمول کرتا۔ اور جب یہ سچ بھی نہ ہوتا۔ ہم ٹرکی کے عیسائیوں کے خیالات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور خواہ ان سے کیسی ہی مہربانی کا برتاؤ کیوں نہ کیا جائے یہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں دولت عثمانیہ کی خیرخواہی کا خیال پیدا ہو۔ وہ جو یہ کہتے کہ ان کو فوج میں ضرور بھرتی کرنا چاہیئے اور دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ ٹرکی فوج کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ ان کو واضح رہے۔ آج کل ٹرکی فوج دس لاکھ سے زیادہ تعداد میں میدان جنگ میں آسکتی ہے۔ اور کسی ایک دشمن کے حملہ کو کامیابی سے روکنے کے لئے وہ کافی و وافی ہے۔ فوجی خدمت سے آزاد رہنے کے باعث عیسائیوں کو یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہتے ہیں فراغت سے اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ اپنے بال بچوں کی ترقی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا ہے۔ اس بات کو ٹھیک مانیئے کہ فوجی خدمت کے لازمی ہونے سے ترکوں کی تعداد پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ ہر مسلمان جو بیس برس سے بڑا ہو۔ فوجی خدمت کا مستوجب ہے۔ اور یہ ذمہ داری بیس برس تک قائم رہتی ہے۔ اس اثنا میں جب گورنمنٹ چاہے۔ اسکو جنگ کے لئے طلب کر سکتی ہے۔ جب وہ قواعد کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اس کے کاروبار میں فرق آجاتا ہے اور اسکا کنبہ بغیر کسی آسرے کے رہ جاتا ہے۔ مگر اگر موجودہ بے نظمی کی اصلاح ہو جائے تو ان باتوں کا تدارک ہو سکتا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں جب موجودہ عہد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ صورت حال بہتر ہو جائے گی۔ اس شخص نے موجودہ ٹرکی فوج کی جو تعریف کی ہے وہ بالکل بجا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اس میں بھی وہ حضرت سلطان المعظم کی ذات اقدس پر حملے کرنے سے باز نہیں رہا۔ ہم حیران ہیں کہ اسکی تردید کیا کریں۔ وہ خود مانتا ہے کہ اسوقت دس لاکھ سے زیادہ نبرد آزمایان

جنگ میں معرکہ آرائی کے لئے آمادہ ہیں۔ آخر کس نے اُنہیں تیار و آمادہ کیا ہے۔ اسی عبد الحمید نے جس پر وہ نہایت بیباکی سے بزدلانہ تہمتیں لگا رہا ہے۔ موجودہ سلطان کے عہد میں ٹرکی کی فوجی ترقی و عظمت کا حال بتانے کو ذیل میں ایک مضمون درج کیا جاتا ہے۔ جو کچھ عرصہ ہوا۔ مترجم نے پنجاب کے ایک سربرآوردہ اسلامی اخبار میں درج کرایا تھا۔

"اب سے پانچ سال بعد کی سلطنت روم" دُنیا میں خدا کے ماننے والوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو کہ خدا کو اس بیوقوف مطلق العنان بادشاہ کی مانند تصور کرتا ہے۔ جو بیٹھے بٹھائے طبیعت کے اوتار چڑھاؤ کے ساتھ ایک شخص کو کبھی پایہ تخت نشیں ہے۔ کبھی اوسکو گدھے پر سوار کراتا ہے۔ یا تو خزانے کا منہ کھولے ہوئے رعایا کو مالا مال کر رہا ہے۔ یا دل میں یکایک جو ایک ولولہ اوٹھتا ہے تو ہاتھ میں جور و ظلم کے تیر و تفنگ لئے ہوئے ہر آنے والے کو نشانہ بنا رہا ہے۔ ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق تو کسی ایک واقعہ پر جو گذر رہا ہو۔ یا عنقریب ہونے والا ہو۔ رائے زنی کرنا۔ یا اوس کے نشیب و فراز اور ممکن الوقوع کی جانچ پڑتال کرنا۔ اس غرض سے کہ اپنے اغراض و مقاصد کی حفاظت مناسب طور پر ہو سکے۔ اگر گناہ کبیرہ ہیں تو گمراہی ضرور ہے۔ دوسرا گروہ ہے جو خدا کو خالق مالک رازق تمام اوصاف سے موصوف سمجھتا ہے۔ جو پہلے گروہ کے نزدیک خدا کے تھے مگر یہ خدا کو پل میں تولہ۔ پل میں ماشہ نہیں سمجھتا۔ اس گروہ کے نزدیک خدا کا ہر کام ایسے مستقل اور پائدار اصول پر ہوتا ہے۔ کہ اوسکی مثل سوائے اُس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی کام کو بلا وجہہ نہیں کرتا۔ اگرچہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اُس کے اسباب مہیا کرتا ہے آگے اون اسباب کے بھی اور سبب ہوتے ہیں۔ اور پھر سب کا مسبب الاسباب وہ خدا عزوجل خود ہوتا ہے۔ ہم اس موخر الذکر گروہ میں سے ہیں۔ اور ہمارا خیال کیا ایمان ہے کہ دُنیا میں کوئی بات بغیر سبب کے نہیں ہوتی۔ تاریخ عالم پر بغور نظر ڈالنے سے کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں ملتا۔ کہ کسی قوم یا ملک نے اچانک ترقی کی ہو۔ یا وہ اچانک گر گئی ہو۔ اگر کوئی واقعہ ایسا سمجھ بھی لیا جاوے۔ تو یہ ہماری اپنی فہم کی غلطی ہوگی اور اگر ہم اوس واقعہ کو نہایت تحقیق سے دریافت کریں۔ تو یقینی امر ہے کہ ہم کو اُس کے

اسباب بھی مل جائیں۔ اگر بالفرض محال نہ بھی ملیں تو پھر تاریخ کی فرد گذاشت سمجھنی چاہیئے مراکو کی موجودہ حالت دیکھکر کون صاحب فہم و فراست ہے جو نہایت دلیری سے یہ حکم نہ لگا دے کہ غرب الاقصیٰ کی یہ اسلامی سلطنت چند روز کی مہمان ہے اور آج یا کل کسی یورپین سلطنت کی وسعت سلطنت اور افزونی شان و شوکت کا ذریعہ ہوا چاہتی ہے سلطنت ایران کی موجودہ حالت پر ریویو کرتے ہوئے۔ کیا کوئی ایسا واقفکار ہے جو اس بات سے انکار کرے کہ وہ عنقریب روس۔ انگلستان یا کسی اور سلطنت کی حرص و آز کا شکار ہو کر آزاد اسلامی ممالک کی فہرست سے خارج ہونے والی ہے چین کی نازک حالت دیکھ کر کیا کوئی دوربین یہ کہنے میں لیس و پیش کرے گا کہ وہ تباہی اور بربادی کے کنارے پر ہے۔ اور چند روز کے اندر اُس دام میں گرفتار ہونے والا ہے جو شکاریوں نے اوس کے ہر چہار طرف پھیلا رکھا ہے۔ برعکس اس کے کیا دُنیا پر کوئی ایسا نجومی بھی ہے۔ جو انگلستان جرمنی۔ فرانس۔ روس یا امریکہ کے ایک معتدبہ عرصہ تک بھی تباہ ہونے کی پیشنگوئی کر سکے۔ اگر کوئی ایسا مرد خدا ہے تو اُسکو بہت جلد کسی لایق ڈاکٹر کی طرف رجوع کر کے اپنا علاج کرانا چاہیئے۔ ان تمام خارج از بحث واقعات کو بھی چھوڑکر ہم اپنے اصلی مطلب پر آتے ہیں۔ اور سلطنت عثمانیہ کی موجودہ حالت پر ریویو کر کے اس کے آئندہ کی نسبت کچھ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں اگر سلطنت ٹرکی کے زوال کا زمانہ کہا جائے۔ تو تاریخ کی رو سے کچھ بیجا نہ ہوگا یہ وہ زمانہ تھا کہ ایشیائی نجومیوں کی تھیوری کے مطابق مسلمانوں کی قسمت منحوس ستارہ کی زیر اثر تھی۔ یہ منحوس ستارہ نفاق۔ حسد۔ بے علمی۔ جہالت۔ خودسری۔ عیاشی۔ غفلت بے پرواہی کی نامبارک شعاعیں اسلامی سلطنت پر ڈال کر قضا و قدر کی منشا کو پورا کر رہا تھا۔ قسطنطنیہ میں سلطان محمود ثانی حکمراں تھا۔ اور اُس کے ہاتھوں شکست کھا کر داغ ندامت دھونے کی فکر میں تھا۔ کہ چرخ نے ایک نیا گل کھلایا۔ اور خبرداروں نے رپٹ دی کہ محمد علی گورنر مصر نے سب احسانات کو نظر انداز کر کے سرتابی و بغاوت پر کمر باندھ لی۔ بس پھر کیا تھا محمود کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور آئینہ ساں حیران رہگیا بیچارے نے بغاوت فرو کرنے کے لئے ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ مگر قسمت کا پھیر دیکھئے باغی محمد علی سلطانی فوجوں کو ہزیمت پر ہزیمت دیتا ہوا طوفان بے تمیزی کیطرح اسلامی

کیطرف اٹھا چلا آتا تھا۔ کہ اہل فرنگ نے رنگ میں بھنگ ملانے کا ڈھنگ اختیار کیا
ابتک جو یورپین سلطنتیں محمد علی کا دم بھر رہی تھیں فوراً فرنٹ ہو کر سلطان کیساتھ مل
گئیں۔ خیر خواہی سے نہیں۔ بلکہ محض اس خیال سے کہ اگر محمد علی اسلامیوں کو ختم
کر کے ساری سلطنت روم کا بادشاہ بن بیٹھا تو یار لوگوں کو ہاتھ کیا آیا۔ بنی بنائی سلطنت
ایک خاندان سے نکلکر دوسرے خاندان میں چلی گئی۔ اور اسی طرح اسلامی سلطنت
کی طاقت پھر ویسی کی ویسی رہی۔ دول یورپ کی مدد سے سلطان محمد علی پر غالب
تو آگیا۔ مگر واہ رے یورپ تیری پالیٹکس کے قربان جائیے۔ مصر کو باوجود محمد علی کے
اپنے اصرار کے دولت عثمانیہ سے علیحدہ کر کے محمد علی کو اسکا الگ حکمران بنادیا۔ اور
دولت عثمانیہ کے ایک صوبہ کو خراج گذار ریاست میں بدل دیا۔ اب تو بیچارہ محمد علی
بھی ہاتھ کاٹنے لگا۔ اور یورپ کی چال دیکھکر دست تاسف ملنے لگا۔ مگر اب پچھتانے
سے کیا ہوتا تھا۔ دولت عثمانیہ کے اسطرح ایک صوبہ کے نکل جانے اور محمد علی
کی بغاوت فرو کرنے میں فوج کٹانے اور بیشمار روپیہ صرف کرنے سے نہایت کمزور ہو گئی
ابھی اس کمزوری کے دفعیہ کے لئے دردمند طبیب نسخہ ہی تجویز کر رہے تھے کہ شیخ عبدالوہاب
نے سرزمین عرب میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا کہ الاماں۔ خدا خدا کر کے یہ طوفان
فرو ہوا ہی تھا کہ خود دار السلطنت کے اندر سازشوں کا جال پھیلگیا۔ اور یورپین
ایجنٹ طرح طرح کی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو گئے۔ نتیجہ یونانیوں نے علم بغاوت
بلند کر کے شور قیامت برپا کر دیا۔ اور بنی نوع انسان کے ہمدرد دول یورپ نے
آگ پر تیل ڈالنا شروع کر دیا۔ بغاوت کے ساتھ ہی روس و فرانس اور انگلستان
کے برخلاف اعلان جنگ کرنا پڑا۔ اور ناوارینو بیرٹ کی بیڑہ اتحاد ثلاثہ کی بیڑوں سے
دوچار ہوا۔ ابراہیم پاشا امیر البحر نے وہ داد مردانگی دی کہ دشمن مقابلہ سے ہٹ کر جانا ہو
پر اتر آیا۔ افسوس! بہادر مگر بھولا بھالا ترک امیر البحر ابراہیم پاشا عیسائی امیر البحروں
کی چال میں آگیا۔ اور اس نے اس بناوٹی بات کو باور کر لیا کہ استانبول میں اعلان صلح ہو گئی
اسوقت سلطنت ترکی میں سلسلہ تار برقی نہ تھا۔ کہ ابراہیم پاشا بذریعہ تار اسبات کی تصدیق
کر لیتا۔ بیچارے نے مجبوراً انتظار کیا کہ اصل معاملہ کی اطلاع ملے۔ مگر اس نے بڑی بھاری غلطی کی کہ دشمن
کے بیڑوں سے بے پروا ہو کر بیٹھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روس فرانس و انگلستان کے متفقہ بیڑوں نے اچانک

ٹرکی بیڑہ پر حملہ کر کے اسکو ہمیشہ کے لئے سمندر کی گہرائیوں میں پنہاں کر دیا۔ صرف ایک ترک سپاہی بچا جس نے یہ سانحہ حیرت افزا اسلامبول میں آکر سنایا۔ آخر صلح ہوئی اور ۱۸۳۲ء میں یونان کا صوبہ آزاد تسلیم کیا گیا۔ سلطنت کی جڑ ان پے در پے اور متواتر حادثات سے کھوکھلی ہو گئی۔ اور سب کو یقین ہو گیا کہ سلطنت کا اب جہاز ڈوبا کہ ڈوبا۔ خیر جہاز تو نہ ڈوبا۔ مگر ابھی تک اسکی شکستوں کی مرمت زیر تجویز ہی تھی کہ ۱۸۳۹ء میں سلطان محمود ثانی کا انتقال ہو گیا۔ اور اسکا نوجوان بیٹا عبدالمجید تخت خلافت پر رونق افروز ہوا۔ نوجوان تو تھا ہی۔ اسکی طبیعت عیاشی کیطرف مائل ہو گئی۔ اور سلطنت کا جہاز اور بھی ڈگمگانے لگا۔ آخر روس نے سلطنت کو غایت درجہ کمزور پا کر اس کے بے ڈکار ہضم کرنے کی ٹھان لی۔ اور سلطان کی عیسائی رعایا کو مفروضہ ظلم وستم سے بچانے کیلئے ۱۸۵۴ میں سلطنت روم کے برخلاف اعلان جنگ کر کے حملہ کر دیا۔ ترک اپنی پریشان حالت دیکھکر پھر سے تو بیٹھے ہی تھے۔ خوب دل کھول کر مقابلہ کیا۔ اور روسی فوجوں کو مار کر ڈینوب کے پار بھگا دیا۔ فرانس اور انگلستان نے بھی اپنے بیڑے بھیجکر ترکوں کی مدد کی۔ آخر ۱۸۵۶ء میں ایسی شرائط پر صلح کرائی گئی کہ روس کو بھی نقصان پہنچا اور ترکوں کو بھی۔ اس جنگ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی مدد پہنچنے سے ان قوموں کا رسوخ ٹرکی میں از حد بڑھ گیا اور یہ سلطان تو ان کے ہاتھوں میں ایک آلہ بن گیا۔ یاروں کو ایسا موقع خدا دے پھر کیا تھا۔ سلطنت ٹرکی کو ہمیشہ کے لئے زیر بار کرنے کیلئے ظاہر ناصح مشفق بنکر سلطان کو قرضہ لیکر سلطنت کے نقص رفع کرنے کی ترغیب دی۔ یہ قرضہ وبال جان اور باعث تباہی نہ ہوتا۔ اگر سلطنت کی آراستگی پر ہی خرچ کیا جاتا۔ اور ہمارے خیال انگریز اور فرانسیسی یہ قرضہ دیتے ہی نہ۔ اگر ان کو یہ یقین نہ ہوتا کہ یہ قرضہ لیا ہوا روپیہ عیاش سلطان کی اپنی نفسانی خواہشوں پر صرف ہوگا۔ حضرت سلطان بے دریغ قرض لیے اور تمسک لکھدئے اور خوب گلچھرے اڑائے۔ ٹرکی کو سخت زیر بار اور مقروض کر کے سلطان راہی ملک بقا ہوئے۔ اہل الرائے کا خیال ہے کہ اگر سلطان عبدالمجید عیاش نہ ہوتا تو جنگ کرنے کے بعد سلطنت ٹرکی کی حالت ضرور سدھر جاتی۔ عبدالمجید کے بعد سلطان عبدالعزیز حکمران ہوئے۔ اول اول تو خوب بیدار مغزی سے کاروبار سلطنت

چلایا۔ مگر آخر کار نفس امارہ نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور حضرت لہو لعب میں ایسے ڈوبے کہ دنیا و ما فیہا کی خبر نہ رہی۔ سلطنت کے نام پر قرضہ پر قرضہ لیتے اور خوب دل کھولکر عیش و عشرت کرتے۔ وزرات شراب میں غرق رہتے۔ دشمن جو تاک میں تھے۔ اس موقع کو غنیمت جانکر پھر ہاتھ پاؤں نکالنے لگے۔ ملک میں جا بجا بغاوتیں کرادیں۔ یہانتک کہ ۱۸۷۵ء کے آغاز میں سارا جزیرہ نما بلقان بغاوت کا گھر بن گیا۔ یہ حالت دیکھکر اراکین سلطنت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت سلطان تو ہمیشہ عیش کی نیند پڑے تھے۔ یوں ہی سا جواب دیکر ٹال دیا۔ اور سب سے بڑھ کر غضب یہ ہوا کہ بغاوت کرنے والا روس۔ مگر سلطان ہیں کہ سفیر روس کے ہاتھ کی کٹ پتلی بنے ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھکر آخر اراکین سلطنت نے حضرت سلطان کو معزول کر دیا۔ مگر یہاں یہ جتا دینا بے محل نہ ہوگا۔ کہ سلطان کو معزول کرنے میں چند تعلیم یافتہ وزرا کو اپنا الو سیدھا کرنا زیادہ مد نظر تھا۔ عبد العزیز کے بعد اس کے بھتیجے سلطان مراد چند ماہ تک حکمران رہکر بوجہ خلل دماغ معزول کئے گئے اور ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء کو موجودہ سلطان عبد الحمید خاں تخت خلافت پر وزرا کے سخت اصرار اور منت سماجت کے بعد حکمران ہوئے۔ ان کے حکمران ہوتے ہی ایک لیڈی نے کہا تھا۔ عبد الحمید ایک ہوشیار اور روشن ضمیر حاکم ہے۔ اور ہم سب لوگ یقین کرتے ہیں کہ قضا و قدر کے خزانہ میں روم کی بہتری کے واسطے بھلے دن ابتک باقی ہیں۔ بوقت تخت نشینی سلطان کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ یہ ابھی بچے ہی تھے کہ انکی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ سوتیلی والدہ کی سایۂ عاطفت میں انہوں نے پرورش پائی۔ ۱۸۶۷ء میں ان کے والد سلطان عبد المجید خاں نے ان کو شاہزادہ مراد کے ساتھ پیرس ملک میں بھیجا وہاں انہوں نے فرانسیسی زبان سیکھی۔ وہ لباس بالکل یورپین طرز کا زیب تن کرتے ہیں۔ قد انکا چھوٹا۔ مگر آدمی مضبوط ہیں۔ جوانی کے وقت طبیعت میں رنگینی زیادہ تھی۔ پرندے اور جنگلی جانوروں کا زیادہ شوق تھا۔ [illegible] سلطان تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ روس سے جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں ترکی کو کامل شکست ملی۔ بہت سا ملک ہاتھ سے نکل گیا اور سلطنت کی حالت اس قدر ابتر ہو گئی کہ دوست دشمن یکساں طور پر کہنے لگے کہ بس اب خاتمہ ہے۔ کوئی [illegible]

اگر سلطان عبدالحمید یا عبدالعزیز ہوتے تو سلطنت کی زندگی کا جام لبریز ہو چکا تھا۔ مگر خدا کو جسے رکھنا منظور ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ بگڑے ہوئے کھیل بنجاتے ہیں۔ چنانچہ خدا کو منظور تھا کہ سلطنت ٹرکی قائم رہے۔ اس نے ایک ایسا شخص کا ذمہ وار بنا دیا کہ جو اپنی ذمہ واریوں کو خوب سمجھتا تھا۔ چنانچہ جنگ کے ختم ہوتے ہی برخلاف اپنے چند بزرگوں کے آپ نے پوری پوری توجہ معاملات سلطنت پر مبذول فرمائی۔ پہلے قرضہ کا انتظام کیا۔ پھر خزانہ کی حالت سنبھالی ساتھ ہی ملک میں یورپین تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان باتوں کی طرف سے فارغ ہو کر حضرت جلالت مآب نے بڑی فوج کیطرف توجہ کی۔ خدا جانے کیا جادو کیا کہ چند ہی سال میں فوج کو آراستہ و پیراستہ کر دیا کہ دنیا میں اس کو لاثانی بنا دیا۔ اور اس کا سکہ ساری دنیا میں جما دیا۔ بڑی فوج کے بہ وجوہ مکمل ہو جانے سے اکثر لوگ خیال کرنے لگے کہ بس اب ٹرکی کو کوئی ڈر نہیں۔ مگر یہ لوگ غلطی پر تھے۔ اور ہیں سلطنت میں ریل نہ تھی کہ حسب ضرورت فوج اُدہر اُدہر آ جا سکے اور اپنے فرائض ادا کر سکے۔ یورپین ٹرکی میں تو حسب ضرورت کچھ ریل ہے بھی مگر ایشیائی روم اور عرب میں ریل کا نشان تک نہ تھا۔ اور یہ بات ہمیشہ ہمدردان خلافت کو کھٹکتی تھی کہ اگر خدا نخواستہ ٹرکی کا کسی سلطنت سے جنگ ہو پڑے تو وہ اون ممالک کی بچاؤ کا کیا انتظام کر سکتی ہے۔ اگرچہ یہ کھٹکا ابھی تک بدستور باقی ہے۔ مگر موجودہ حالت پر نظر ڈالنے سے یہ کانٹا تکلیف دہ نہیں رہتا۔ چنانچہ اخبار دان دنیا کو معلوم ہے کہ ایشیائے روم و عرب میں ریلوے کا کام نہایت سرگرمی سے ہو رہا ہے۔ اگر یہ سرگرمی اور مستعدی جاری رہی تو پنجسال کے اندر ٹرکی کو ریلوے کی شکایت نہ ہوگی۔ چونکہ اب روس (جاپان سے لڑ رہا ہے۔ خواہ وہ فتح پائے یا شکست کھائے دونوں صورتوں میں وہ ٹرکی سے آٹھ نو سال تک چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرات نہیں کریگا۔ لہذا روس کیطرف سے جو ٹرکی کا جانی دشمن ہے مطمئن رہنا چاہیئے۔ آسٹریا کی اپنی اندرونی حالت اور اس کی سرحدوں پر ٹرکی کی افواج کا جلد جلد جمع ہو سکنا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ موجودہ وقت میں آسٹریا بھی بظاہر حال ٹرکی سے نہیں بگاڑے گا۔ انگلستان اور فرانس۔ روس و

جاپان کے جنگ اور بعض دیگر وجوہات کے باعث ٹرکی سے چھیڑ چھاڑ خالی نہیں کر سکتے اور جرمنی کے اغراض تو ٹرکی سے متعلق البتہ ہیں کہ وہ کبھی بھی موجودہ حالت ٹرکی سے بگاڑ کرنے کا خیال تک نہ کریگا۔ ان تمام باتوں کو خیال کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹرکی اپنی ریلوں کی تیاری کیلئے کوئی ایسی اہم بیرونی مشکلات پیش آئیگی اور اندرونی مشکلات سلطان کو کام سے باز نہیں کر سکتیں بہر حال یہ کہ حجاز اور بغداد ریلوے لائن کے تیار ہو جانے میں کوئی مشکل حائل نہیں اور غالب ہے کہ یہ دونوں ریلوے لائن پانچسال کے اندر بالکل تیار ہو کر آمد و رفت کیلئے کھلی ہونگی۔۔۔ اب اگر ریلوے لائن مکمل ہوئیں تو کیا ٹرکی محفوظ ہے نہیں ہرگز نہیں موجودہ جنگ روس جاپان نے بحری فوج کی اہمیت اور ضرورت کو روز روشن کیطرح ظاہر کر دیا ہے اور اسوقت ٹرکی کے پاس بحری فوج نہیں اگر اگر پانچ سال تک ریلوے تیار بھی ہوا اور بحری فوج نہ ہو تو ہم دعوی سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب ٹرکی کو کوئی ڈر نہیں۔ مگر واہ رے عبد الحمید تو ان جانے تیری فہم و فراست کے تو نے آنے والے وقت کا اندازہ کر کے موجودہ موقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا ہے ایکطرف ریلوں پر زور دیا ہے تو دوسری طرف دو نہایت مضبوط بیڑہ ہائے جہازات تیار کرا رہے ہے چنانچہ اسوقت امریکہ و یورپ میں کوئی ایسا بحری کارخانہ نہیں جسمیں ٹرکی کیلئے عثمانی جہاز کروزر تارپیڈو و شکن جہاز تارپیڈو و جہاز زیر آب چلنے والے ساحلی جہاز نہ بن رہے ہوں اسلامبول کا بحری کارخانہ بھی دن رات جہازوں کی تعمیر کرنے میں مصروف رہتا ہے ہر ایک کو نے کا کا حکم ہے کہ جہانتک ہو جلدی جہاز بنائے جائیں۔ اسوقت جو جہاز تیار ہو رہے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۲ سال میں تیار ہو جائینگے اور یہ جہاز تعداد میں اتنے ہیں کہ ٹرکی کی حفاظت کیلئے اگر ساتھ ہی اوس کی بری فوج کا بھی خیال کر لیا جاوے کافی ہیں۔ مگر کیا ٹرکی جہازوں پر ہی بس کر دے گی ہرگز نہیں جوں جوں یہ تیار ہو کر آتے جائینگے اور جہازوں کا حکم ہوتا جائیگا۔ یہانتک نہ جب ایک طرف حجاز بغداد ریلوے تیار ہو جائے گی تو دوسری طرف ٹرکی کی بحری طاقت بہمہ وجوہ مکمل اور نہایت زبردست ہوگی اور یہ

پانچ سال تک ہو جاویگا۔

جب یہ سب کچھ ہو جاویگا تو ٹرکی کیا کرے گی۔ اسے کسی دشمن کا نہ ڈر ہوگا وہ حملوں سے بالکل محفوظ اور طاقتور ٹرکی ہوگی اور اسوقت اس کی تجارت صنعت وحرفت زراعت وغیرہ میں ترقی کرنیکا زمانہ شروع ہوگا۔ اور اس سے چند سال بعد ٹرکی ہر ایک بات میں یورپ کے برابر ہوگی اور پھر اگر یہی رفتار رہی تو بڑھ جائے گی۔ اور خدا جانے کیا کچھ کر دکھاۓ گی۔ مگر یہ زمانہ کئی سال کے بعد آئیگا۔ مگر بتانا مشکل ہے۔

چھٹا باب

ٹرکی کے اندرونی خطرات

ٹرکی میں اجانب کی خلاف اصول پوزیشن۔ اون کی مراعات اجنبی مجرموں کی گوشمالی میں باب عالی کی بےبسی اجانب کی خلاف اصول پوزیشن کو ہٹا لینے کی جدوجہد۔ سلطان کی بدعملی کے سبب اس میں ناکامی۔ ٹرکی کی آزادی خیالی خام ہے۔ دیسی عیسائی۔ اونکی جداگانہ ہوسیں۔ انکی غدارانہ حرکات انکے انگریز معاون ٹرکی کی متحملانہ پالیسی۔ اسکے خطرات ارمنی اونکی پرانی مراعات قتل عام انکی موجودہ پوزیشن۔

میں نے گذشتہ باب میں سلطان کے آئین وضوابط کا مختصر سا خاکہ کھینچا ہے اور اون اسباب کا بھی اشارہ کر دیا ہے کہ جڈیشل انسٹیٹیوشنوں میں ارمنی اور غیر مسلم کھلے دل سے داخل کئے گئے ہیں اب میں اس پوزیشن پر بحث کرونگا جو اجانب کو اس ملک میں حاصل ہے اور سلطنت عثمانیہ کی عیسائی آبادی کا طرز عمل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ ٹرکی میں ممالک غیر کے باشندوں کو نامناسب آپ دانہ پوزیشن حاصل ہے۔ اجنبیوں کی ہر ایک بستی بطور خود ایک ریاست ہے اور دولت عثمانیہ کے دیگر شہروں کی نسبت قسطنطنیہ میں یہ بستیاں

زیادہ ہیں۔ ہر ایک اجنبی کو فائدہ ملکی مراعات حاصل ہیں اور دوسرے ملک میں یہ بات صرف سفیروں اور کانسلوں کو بمشکل نصیب ہوتی ہے

ایک اجنبی خواہ کیسے ہی سنگین جرم کا مرتکب ہو ترکی گورنمنٹ کا قانون اسپر حاوی نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ صدیوں میں عثمانی سلطانوں نے یہ مراعات چند یورپین سیاحوں کو بطور مہربانی کے بطور مہربانی کے عطا کی تھیں۔ مگر بعد کے زمانوں میں ان مراعات کے حاصل کرنیوالوں نے انکا بہت برا استعمال شروع کر دیا میں یہاں ان مراعات پر بالتفصیل بحث کرنا نہیں چاہتا انہوں نے عثمانی مدبروں کے ہاتھ کاٹ دیئے ہیں۔ قانون کے عملدرآمد کرانے میں بیش از بیش رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ سلطنت کی ترقی اور اصلاحوں کے نافذ کرنے میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔

کسی وقت یہ بات ممکن تھی کہ باب العالی ان بیجا مراعات سے کلی طور پر نہ سہی جزوی طور پر ہی مخلصی حاصل کریں کیونکہ یہ مراعات قانون میں اور اقوام کے رو سے جائز نہ تھیں اور چند دوست طاقتیں خاصکر برطانیہ اعظم ان میں مناسب ترمیم کرنے پر آمادہ و تیار رہتی۔ البتہ باب العالی کو یہ اختیار مل گیا کہ اجنبی مجرموں کو سزا دے مگر اسکی تعمیل اس اجنبی کی کونسل کی معرفت کرا سکتی ہے۔ اگر اب بھی ترکی اپنے انتظامی پرزے درست کر لے اور حسب ضرورت اصلاحیں نافذ کرے تو وہ دول عظیم سے درخواست کر کے ان مراعات میں قابل قدر ترمیم کرا سکتی ہے تیس سال کا زمانہ ہوا کہ عثمانی مدبروں نے اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا مگر عبد الحمید کی تباہی بخش عہد حکومت کے شروع ہو جانے سے باب العالی کی سب تجاویز کری دہری رہ گئیں۔ اس متلون مزاج سلطان نے اس ضروری سلطنت پر جسکی حالت اس بات کی مقتضی تھی کہ اس کے انتظام میں پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے ایسی ڈھنگ سے حکومت کا رنگ جمایا کہ روس کی نظیر سوائے وحشی قبائل کی حکومت کے کسی مہذب یا نیم مہذب سلطنت کی تواریخ میں نہیں ملتی دیکھئے جس ڈھنگ سے سلطان حکومت کر رہا ہے اوس کی نظیر صفحۂ تاریخ میں ملنی دشوار ہے اس نے چند سالوں میں ہی سلطنت کی ڈوبتی ناؤ کو منجدھار سے نکال کر عافیت کے کنارہ پر لگا دیا ہے

مخدوش حالت میں وہ تخت پر جلوہ افروز ہوا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو دیوانگی میں ہی پاگل ہو جاتا اور سلطنت بھی ابتک یاروں کے دام شند و بیمہ کی شکار ہو چکی ہوتی۔ مترجم)

اس نے بڑے بڑے قابل اور لائق عثمانی مدبروں کے اقتدار کو خاک میں ملایا اور ذمہ داری کے عہدے ناکندہ تراش اور لونڈیز لوگوں کے حوالے کئے جنہوں نے بے ایمانی اور رشوت ستانی سے رعایا کا ناک میں دم کر رکھا ہے موجودہ عہد کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ترکی میں رہنے والے اجانب اپنی زائد ملکی مراعات پر سختی سے قائم ہو گئے ہیں اور کئی ایک نئی مراعات حاصل کر لی ہیں جو کسی معاہدہ یا عہد نامے کی رو سے روا اور جائز نہیں ہیں اس وقت ایک قسطنطنیہ میں حکومت کے کئی مرکز دیکھ سکتا ہے جو ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں اور باب العالی کے حیطہ اقتدار سے باہر ہیں پس آجکل ترکی کی آزادی کا خیال کرنا ہوا پر قادر ہونا (اور عبد الحمید عالی کے اس خستہ پر جس کو بیرونی مدد کا کوئی سہارا نہیں کیا ہو گا ظلم کر سکتا ہے (کیا یہ تھوڑا ظلم ہے کہ وہ سلطنت کو غیروں کی دست برد سے بچانے کے وسائل مضبوط کر رہا ہے تعلیم، تجارت، صنعت و حرفت پر بیش از بیش زور لگا رہا ہے۔ جا بجا اسکول اور ریلوے لائن تعمیر، زراعت کو ترقی دینے کیلئے ملک میں سائنٹیفک طریقوں کو رائج، خائن اور بے ایمان افسروں سے گورنمنٹ کو پاک و صاف کر کے رعایا کی جان و مال کو محفوظ کر رہا ہے بھلا ان سے بڑھکر اور کیا ظلم ہوں گے۔ مترجم)

مینے اس کتاب میں موجودہ سلطان کی بد عملی پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ میں اس کی طرز حکومت کے سخت خلاف ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ ترکی میں اجانب کو بیجا اقتدار اور رسوخ حاصل ہونے کے باوجود ابھی تک ترکی کو موجودہ مظالم سے نجات پانے کی اور عمدہ اور فیاضانہ حکومت کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر بڑی دقت یہ ہے کہ موجودہ بد نظمی ہی اٹھا کر دول غیر اپنی رعایا کے لئے تازہ ملکی مراعات حاصل کرنے کے درپے رہتے ہیں اور دولت عثمانیہ کے زیر نگین عیسائیوں کی حمایت کی کوششیں کی جاتی ہیں

اور کہتی ہیں کہ انسانی ہمدردی کا تقاضا یہی ہے۔

تاہم اُن کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ اُن عیسائیوں کے ذریعہ اپنا پولیٹیکل اُلّو سیدھا کریں۔ اسطرح سے دولت عثمانیہ کے عیسائی جن کے قومی کیرکٹر پر لیوانٹ کے انگریز سیاح بخوبی روشنی ڈال چکے ہیں۔ سلطنت کے لئے اندرونی خطرات کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں ان عیسائیوں کی قومیتیں آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یعنی یونانی ارمنیوں سے جدا۔ بلغاری غیر سلوں سے مختلف۔ ہر ایک عیسائی قوم کے اپنے اپنے گرجے۔ اپنے اپنے سکول اپنے اپنے قومی اغراض و مقاصد ہیں۔ ہر ایک عیسائی قوم کی اپنی اپنی زبان ہے۔ اور ہر ایک بجائے خود عثمانیوں کے خون کی پیاسی ہے۔ اور دولت عالیہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتی ہے۔ ٹرکی کے عیسائیوں کے یہ خیالات کی تائید میں یہ کہہ دیتے ہیں۔ ابھی کیا سالوں کے جور و ظلم سہنے کے بعد خیالات غدارانہ نہ ہوں تو کیا دوستانہ ہوں۔ ان کا یہ عذر بدتر از گناہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ اصل حال سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔ کوئی شک نہیں۔ مدت سے سلطنت عثمانیہ ظلم و جفا کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر صرف عیسائی مظلوم نہیں۔ بلکہ اُن میں سے بہت ظلم کرنے اور کرانے کا آلہ ہیں۔ اور ظالموں کی دائیں مونچھ بنے ہوئے ہیں۔ اگر عیسائیوں کے برخلاف کبھی قتل عام کا بازار گرم ہوتا۔ تو آج اسقدر ارمنی یا یونانی ٹرکی میں زندہ نظر نہ آتے۔ گذشتہ صدیوں میں وہ بالکل ترکوں کے رحم پر تھے۔ کیسی یورپین طاقت کو ہوش نہ تھا۔ دخل کا تو ایک موہوم بات تھی۔ اگر ترک چاہتے تو اُن کو آسانی تمام مسلمان بنا لیتے۔ یا صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ آج تک ٹرکی میں مختلف قومیت رکھنے والے لاکھوں عیسائیوں کا موجود ہونا ترکوں کی آزادانہ اور متحملانہ پالیسی کا بین ثبوت پیش کرتا ہے۔

عیسائیوں کی صرف جان و مال ہی حفاظت میں نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ جس کی شہادت اُن کے بیشمار گرجوں۔ قومی سکولوں۔ اون کی زبانوں اور قومی رسم و رواج سے مل سکتی ہے مگر افسوس ٹرکی کے عیسائیوں نے اس فیاضانہ سلوک کی قدر نہ جانی

اُنہوں نے اظہارِ شکریہ میں کبھی لب تک نہیں ہلایا۔ اور نہ ہی دولت عثمانیہ کی بابت اپنی خیرخواہی و ہمدردی کا کبھی ثبوت دیا۔ اگر وہ حق نمک ادا کرتے۔ تو شاید ٹرکی بدامنیوں اور شورشوں سے محفوظ رہتی۔ اور اسکو وہ روزِ بد جو آنیوالا ہے دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اور جیسے وہ دور روز دیکھتی ہے۔ یا اپنی دشمنان روسیاہ کو دکھاتی ہے۔ تقسیم ٹرکی کی تاریخ سے روسیوں نے بڑا فائدہ اُٹھایا ہے کیونکہ وہ مفتوحہ اقوام کو روسی رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ اور اپنے قومی شجر کے پاس کوئی خاردار جھاڑی اُگنے نہیں دیتے۔ مسلمانوں نے اپنی غیر مذہب رعایا سے جیسا نیک سلوک کیا ہے وہ اخلاقی پہلو سے قابل تحسین ہے۔ مگر یاد رہے۔ مفتوح اقوام سے ایسا سلوک خود فاتح کی آئندہ حالت کو تاریکی میں ڈال دیتا ہے

اپنی تمام رعایا میں سے ٹرکی کو ارمینوں کیطرف سے بڑا خطرہ رہتا ہے۔ ارمینوں کی کوشش ہے۔ کہ ایشیائے کوچک میں اپنی ایک آزاد ریاست قایم کریں۔ لہذا میں انہی معاملات پر تجزیہ و بحث کیا ہوں۔ اگرچہ آجکل انہیں چنداں انٹرسٹ نہیں لیا جاتا۔ مگر وہ دن دور نہیں کہ پولیٹکل شورش پسند سرپھر ان کو آگے رکھ کر خطرناک چالیں چلنے میں سرگرم نظر آئیں گے۔

جیسا کہ میں نے پہلے باب میں بتایا ہے۔ قانونی کالج کے پینتالیس طلباء میں سے تیرہ ارمنی تھے۔ ارمنیوں کی کل تعداد پر اگر خیال کیا جائے تو تیرہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کوئی شک نہیں ارمنی بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں اونہوں نے داخلہ کے امتحان میں نہایت عمدہ نمبر حاصل کئے۔ محکمہ تعلیم کے افسروں نے تعداد کی قید نہیں لگائی تھی۔ پس اُنہوں نے جتنے کہ پاس ہوئے سب داخل کر لئے۔ تاہم میرا خیال ہے۔ ان کی ارمنوں شورشوں کے بعد یہ حالت قائم نہ رہی ہوگی۔ اور اگر نہ رہی ہو۔ تو مقام تعجب نہیں کیونکہ پچھلے دنوں ہی ارمنیوں نے گورنمنٹ کے برخلاف طوفان بے تمیزی برپا کیا۔ اور اپنے ہم وطن مسلمانوں کو ستایا اور ان کا ناک میں دم کیا۔

بیشک اس ملک کے لوگوں نے کشت وخون کی بہت سی داستانیں سُنی ہونگی۔ یہ کشت وخون ناجائز تھا۔ اور کوئی شک نہیں۔ اس میں بہت سے بے گناہ مارے گئے تھے۔ مگر اس کے متعلق رائے قائم کرنے سے پہلے انصاف تقاضا کرتا ہے کہ ارمنوں کے قتل کرنے کی وجوہات معلوم کیجائیں۔ اسبات کو درست مان لو کہ اس سے پہلے ارمنوں کے ساتھہ کبھی ایسی سختی نہیں کی گئی تھی۔ اور اگر کیجاتی تو آج دولت عثمانیہ کے زیر سایہ ۲۰ لاکھہ ارمنی نہ ہوتے۔ ارمنی جانباز ہیں۔ وہ ہر جگہہ جاسکتے ہیں۔ ہر جگہہ آباد ہوسکتے ہیں اور ہر سلطنت کی رعایا بنجاتے ہیں۔

شورش بپا کرنے سے پہلے غیر سلطنتوں کے بہت سے ارمنی فرانسیسی انگریز اور امریکن بنکر ٹرکی میں آئے۔ بعض پادریوں کے بھیس میں اور بعض اُستادوں کے بھیس میں تھے۔ یہ شریر ارمنی روس کے شوریدہ سر ارمنیوں سے ملکر جو کاکیشیا کیطرف سے آئے تھے۔ اپنے بھائی بندوں کو ایشیائی ٹرکی میں اپنی ایک ریاست قایم کرنے کی ترغیب دینے لگے۔ نوجوان ارمنی اپنی قومی سلطنت کے قایم کرنے کے خیالات سے جوش میں آگئے۔ اور دور کے خواب دیکھنے لگے۔ یہہ نہ سوچا کہ ٹرکی میں اُن کی سلطنت کا قایم ہونا ناممکن ہے اور یہ کہ ہر جگہہ ان کی تعداد آٹے میں نمک بھی نہیں۔

انگلستان میں اُن کے پولیٹیکل ہواخواہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے بہتر گورنمنٹ حاصل کرنے کے لئے شورش بپا کی تھی سلطنت قایم کرنے کا اُن کو وہم وگمان بھی نہ تھا مگر یہ بات بالکل فضول ہے۔ اور بعد میں گھڑی گئی ہے۔ اصل واقعہ تو یوں ہے کہ ارمنی اُسوقت بآواز بلند اس بات کا اعلان کرتے تھے۔ کہ "ہم مشرقی ایشیائے کوچک میں آزاد سلطنت قایم کرنا چاہتے ہیں" ہر جگہہ ہمکو یہ صدا سنائی دیرہی تھی۔ کہ دول عظیم خاصکر برطانیہ اعظم روبہ تنزل سلطنت عثمانیہ کو وہ حصہ دینے پر۔ آرمنیوں کے حوالہ کرنے پر تیار ہیں۔ جس طرح کہ سلطنت کے بہت سے حصص آگے اُنہوں نے دیگر عیسائی قوموں کو دئے ہیں۔ وہ اُسدن کی نہایت بیتابی سے انتظار ہی کر رہی تھی۔ کہ ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ اور وہ اپنا حصہ لیں۔ میں نے خود ارمنیوں کو اپنے آئندہ ہمقوم حکمرانوں کے متعلق

سو کرتے ہوئے سُنا ہو۔

ترک آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے۔ یہ لوگ ہمارے برخلاف آمادۂ بغاوت کیوں ہیں جبکہ ہم خود ان سے بھی زیادہ ستم رسیدہ ہیں۔ چہ جائیکہ موجودہ مظالم خود ارمنی افسروں کی ہی بدولت ہو رہے ہیں۔ ہمارے سلطان کے اعلیٰ افسر اور سپاہی زیادہ تر ارمنی ہی ہیں) ارمنیوں کا جوش دن بدن بڑھتا گیا۔ آخر نوبت بایں رسید۔ اُنھوں نے وہی پرانی چال اختیار کر لی بعض ترکوں کو طیش دلانے لگے۔ کہ وہ کسی طرح اپنی شمشیر نیام سے باہر نکالیں۔ مطلب یہ تھا کہ ترکوں انتقام لینے سے یورپ میں یہ خیال پیدا ہو جاوے گا کہ مسلمانوں پر پھر تعصب کا جن سوار ہو گیا ہے۔ اسطرح دول یورپ دخل دینے پر مجبور ہو جاویں گے۔ اور ٹرکی کے بخرے کر لئے جائیں گے۔ ایشیائی ٹرکی کے مسلمان سوچتے تھے کہ ان ہنچاروں کی شورش کو کس طرح فرو کیا جائے۔ ایشیائے کوچک میں ترک عورتوں کی بے حرمتی کی۔ اور بچوں کو ہلاک کیا گیا۔ ترک غایت درجہ صابر ہوتا ہے۔ مگر اگر تم اسکی عورت یا بچہ پر حملہ کرو گے وہ فوراً آگ بھبھوکا ہو جائیگا۔ اور دُنیا میں کوئی چیز اس کے غصہ کو فرو نہیں کر سکتی۔ اُس نے دیکھا کہ سلطان کی گورنمنٹ ارمنیوں کی گوشمالی کرنے میں عاجز ہے۔ اور ممالک غیر کی انقلاب پسند سوسائٹیوں کی شرارت کو نہیں روک سکتی۔ کیا انگلستان کے ہمدردان بنی نوع انسان کو یہ واقعات معلوم نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ کوئی ایسی بات جاننا پسند ہی نہیں کرتے۔ جو ترکوں کی تائید میں ہو۔ کیا اس ملک کے پولیٹیکل رسالوں اور اخباروں نے یہ واقعات جو میں نے بیان کئے ہیں۔ لکھے ہیں؟ یقیناً ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ ارمنیوں کی شرارتوں میں ان کے اپنے پولیٹیشنوں کا بھی ہاتھ ہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہونے سے پہلے میں نے بہت سے ترکوں سے صدیوں تک آرمینوں کے پہلو بہ پہلو رہتے چلے آئے ہیں۔ کہتے سُنا ہو کہ مشرقی ایشیائے کوچک میں ارمنیوں کی بہ نسبت کردوں کے برتاؤ پر ناراض نہ ہونا چاہیئے ورنہ ارمنیوں کو ضرور ملیا میٹ کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ قتل و غارت کے کے اہل شروع ہو گئے۔ ان ارمن انقلاب پسندوں نے جو آخر خود صاف

بچ کر نکل گئے۔ مسلمان کوارٹروں میں بم کے گولے پھینکنے اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے مسلمانوں کو سخت طیش دلایا۔ مسلمانوں نے یہ خیال کر کے سلطان کی گورنمنٹ اِن لوگوں کی مزید فتنہ پردازی اور شرارتوں کا کوئی انسداد نہ کرے گی۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور آرمنوں کا جوش اس طریقہ سے جس کا سب کو علم ہے ٹھنڈا کیا۔ ممالک غیر کے انقلاب پسند ارمنوں کی گوشمالی کی طاقت اپنے میں نہ پاکر سلطان پیچ و تاب تو کھا ہی رہا تھا۔ اُس لیے اپنی غیظ و غضب میں آئی ہوئی مسلمان رعایا کو اگر قتل و غارت کا خود ایماء نہیں کیا۔ تو ان کی حرکات پر اغماض ضرور کیا۔ مگر اس کے اغماض کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی مجرم تو بہت کم مارے گئے۔ مگر کئی بے گناہ ارمنی ہلاک ہو گئے۔ اگرچہ ارمنی محنتی اور جفا کش ہیں۔ وہ اپنی سابقہ خوشحالی پھر حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ان کو روپیہ کمانے کے ہمیشہ قیمتی مواقع ملتے رہے ہیں۔ سلطانی عملہ میں ان کو اچھا رسوخ حاصل تھا جس کی بدولت وہ سلطنت کے محاصل کے لیے مالڑا اور ٹرسٹش بنے ہوئے تھے ایشیائے کوچک پر عثمانی ترکوں کے اقتدار کیساتھ ہی اُن کی اقبالمندی کا سنگ بنیاد قائم ہو گیا۔ جس وقت ترک آئے وہ پراگندہ حالت میں تھے۔ ان کی پولیٹکل زندگی مدت سے ختم ہو چکی تھی۔ اگرچہ عثمانی حکومت نے ان کی پولیٹکل آزادی اُن کو نہ دی۔ مگر ان کی جان و مال کی کماحقہ حفاظت کر کے ان کو اپنی حالت سنوار لینے کا موقع دیا۔

ترک آرمنوں کے لئے کیا کچھ کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اسکی مثال بھی میں گذشتہ صدی کی مذہبی مشکلات کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اسوقت یورپ میں مشنری تحریک زور عمل پر تھی۔ پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک پادری بلائے بے درماں کی طرح ترکی میں گھس کر ارمنیوں کا صفایا کرنے لگے۔ ارمن پیٹریارک نے ان پادریوں کو جو اس کے مذہب میں خلل انداز ہو رہے تھے۔ ملک سے بدر کرنے کیواسطے ترکی گورنمنٹ میں درخواست کی۔ اس درخواست کے جواب میں گورنمنٹ نے یہ کیا کہ پادریوں کو سخت قیود میں جکڑ دیا۔ اور اسبات کی پرواہ نہ کی کہ اسبات سے یورپ ناراض ہو کر دشمن جان ہو جاویگا۔ اس مثال سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں مشنری کام کے برخلاف

ہوں۔ مجھے یہاں صرف یہ جتانا منظور ہے کہ ترک ہمیشہ ارمنیوں کی قدر اون کے مذہب کا ادب کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ ترکوں پر مذہبی تعصب کا الزام لگانا سراسر لغو اور فضول ہی نہیں۔ بلکہ سرے سے ہی بے بنیاد ہے۔

میرا خیال ہے مسلمان ارمنوں پر پھر کبھی ایسا اعتماد و اعتبار نہیں کریں گے اب ہم ترکی کے اعلیٰ عہدوں پر ویسے ارمن پاشا ممتاز نہیں دیکھتے۔ اس میں شک نہیں سرکاری حلقوں میں بتدریج رسوخ حاصل کرتے جاتے ہیں۔ مگر وہ بات کہاں۔ چونکہ ارمن اب نظروں سے گر گئے ہیں امید نہیں۔ سرکاری سکول اور کالجوں میں اون کو ویسے ہی کھلے بندوں داخل کر لیا جائیگا۔

ساتواں باب

نیا لباس نئی زندگی

میں یورپین لباس پہنتا ہوں۔ تہذیب کا اندازہ۔ انگریزی کپڑے آسٹریا میں بنائے جاتے ہیں۔ سلطان محمود کے عہد میں پہلے یورپین لباس کو رواج دیا گیا۔ سرکاری اسامی حاصل کرنے کے لئے میری فضول جدوجہد سرکاری ملازمت کے لئے لیاقت کا معیار رشوت اور جاسوسی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے صرف ایک راستہ کھلا ہے۔ میں قانونی پیشہ اختیار کرتا ہوں۔ اعلیٰ افسروں تک میری رسائی۔

جب میں نے قانونی کالج کا آخری امتحان پاس کر لیا۔ تو میں نے ضابطہ اور قانونی کارروائیوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کچہریوں میں جانا شروع کیا۔ اب میں علماء کے لباس میں ہی جو ابھی تک زیب بر کرتا تھا۔ عدالتوں اور دفتروں میں جانا پسند کرتا تھا۔ قانونی کالج میں میری جماعت میں صرف چند اشخاص ہی ایسے تھے۔ جن کا مدرسوں سے تعلق تھا۔ اور وہ بھی ہم مذہبی لباس پہنتے تھے۔ جماعت کے دوسرے لڑکوں کے مقابلہ میں جو یورپین

لباس زیب بر کرتے تھے۔ ہم پرانے فیشن کے معلوم ہوتے تھے۔ مجھ کو جدید ترین قسم فیشنبل جنٹلمین بننے اور نئے قسم کے لباس پہننے کا شوق پیدا ہوا۔ یعنی یہ کہ سوائے ترکی ٹوپی کے سارا یورپین لباس زیب بر کرنے کا۔ تاہم ایسا کرنے سے پیشتر مجھے مدرسہ سے قطع تعلق کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ ان پرانی درس گاہوں کے آدمی مولویانہ پگڑی اور لمبے چوغہ کے ترک کرنے اور یورپین لباس اختیار کرنے کو مولویت کے پیشہ سے دست بردار ہونے کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ جو شخص یورپین لباس پہن لیتا ہے۔ مدرسہ میں رہنے کے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ میں حیران تھا کہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد کہاں جاؤنگا کیونکہ ترک خاندانوں میں غیر شخصوں کو اپنے دستر خوانوں پر شامل کرنے کا دستور نہیں۔ اور یونانی یا ارمنی خاندانوں کے دستر خوان پر شامل ہونا کئی ایک وجوہات سے ایک نوجوان مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔ پس میں نے ایک سرائے میں دو کمرے کرایہ پر لئے۔ یہ کمرے ایسے گندے اور غلیظ تھے جیسے کہ سراؤں کے ہوا کرتے ہیں۔ میں قسطنطنیہ کے یورپین کوارٹر کی طرف گیا۔ اور ایک سوٹ (کپڑوں کا جوڑا) خریدا۔ یورپین کوارٹر میں سوٹ فروشوں کی کئی دکانیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر آسٹروی یہودی ہوتے ہیں۔ جو آسٹریا سے بنے بنائے سوٹ لا کر فروخت کرتے ہیں۔ وہ اپنی چیزیں نہایت ارزاں قیمت پر دیتے ہیں۔ مگر سوٹ کی سلائی اور کپڑا نہایت ہی برا ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ میں ایک مثل ہے۔ کہ ان آسٹروی دکانوں سے سوٹ پہن کر باہر نکلو۔ پھر تم سنگ طلائی کا پل گذر کر اسلامبول بھی نہ پہنچو گے کہ وہ پرزے پرزے ہو کر پھٹ بھی جائے گا۔ یہ بات خالی از تعجب نہیں۔ کہ بہت سے آسٹروی اپنی چیزوں کو انگریزی ساخت کا بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ترکی میں آسٹروی چیزوں کی نسبت انگریزی چیزوں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔

جو سوٹ میں نے لیا۔ اگرچہ خراب تھا۔ مگر میں اس میں پھولا نہیں سماتا تھا۔ یہ امر واقعی ہے۔ کہ نزدیک مشرق میں جو لوگ یورپین لباس پہنتے ہیں۔ وہ ان لوگوں

کو جو اس طرز کا لباس نہیں پہنتے۔ یا پہننا پسند ہی نہیں کرتے۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے متعلق ان کی رائے ہے۔ کہ یہ مہذب اطوار اختیار کرنے کے ناقابل ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ خیال کمترین پر نہیں ہے۔ مگر بالکل بے بنیاد نہیں چند سال ہوئے جب انگلستان میں ترکوں کے برخلاف ایک طوفان بے تمیزی بپا ہوا تھا میں نے چند ریڈیکل اخبارات میں پڑھا۔ کہ وہ مشرقی عیسائی جو ترکوں کے جوئے سے آزاد ہو گئے ہیں۔ مہذب ہو گئے ہیں۔ مگر خود ترک ترقی و تہذیب کے ناقابل ہیں۔ اور حقیقت حال یوں ہے کہ یہ مشرقی عیسائی جو یورپین لباس پہنکر مہذب لوگوں کے زمرہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایشیائے کوچک کی پگڑی باندھنے والے دیہاتیوں سے زیادہ مہذب نہیں چونکہ بظاہر یورپینوں جیسی ٹیپ ٹاپ رکھتے ہیں دنیا یہی خیال کرتی ہے کہ مہذب ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ہے میں نے اخبار سکٹسمن میں ایک مضمون دیکھا کہ سیاہ فام اقوام مہذب اطوار اختیار کرنے کے قابل نہیں۔ اور مثال کے طور پر یہ واقعہ پیش کیا گیا کہ مرحوم مدحت پاشا یورپین لباس خاصکر شام کے لباس کو سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا مجھے اسوقت معلوم ہوا کہ مدحت اور اسکی سیاہ فام اقوام کے زمرہ میں سمجھے جاتے ہیں مجھے یہ بھی حیرانی ہوئی کہ سکٹسمن کو یہ بات کیسے نہ یاد رہی کہ بہت سے مہذب اور تعلیمیافتہ انگریز خود یورپین لباس کی چند طرزوں کو پسند نہیں کرتے۔ خیر بہت سے یورپین کا اس قسم کا خیال دیکھکر ہمیں یورپین لباس پہننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ خیال یہ تھا کہ شاید اسی طرح سے ہم مہذب اقوام میں شمار ہو سکیں گے۔ اگر ترکی گورنمنٹ عورتوں کو برقعہ کی قید سے آزادی دیکر حکم دیدے کہ یورپین لیڈیوں کیطرح ہوا خوری کیا کریں۔ اور ساتھ ہی اپنی ساری رعایا کو یورپین لباس زیب تن کرنے اور ترکی ٹوپیوں کی بجائے یورپین ٹوپیاں بر سر کرنیکا حکم صادر کرے تو آج ہی سارے یورپ میں مبارک مبارک کی صدائیں بلند ہو جائیں۔ اور سمجھا جائے کہ ترکی کی ترقی و تہذیب کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ اسی برس کا زمانہ گذرا ہو کہ جنیسری فوج کا قلع قمع کرنیوالے سلطان محمود ثانی نے پہلے پہل یورپ کے اس متعصبانہ خیال کو معلوم کیا اسکو اچھی طرح معلوم تھا کہ یورپین دول کی عداوت اور دشمنی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ترکی کی سلطنت عیسائی نہیں۔ اسی خیال کے متعلق ترکی میں ایک روایت مشہور ہے

خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ مگر ہے معنی خیز۔ لہذا میں اسکو درج ذیل کرتا ہوں زمانہ گذشتہ میں ایک ترکی مدبر اپنے وقت کے پوپ سے ملاقی ہوا۔ دوران ملاقات میں پوپ نے کہا "میں جانتا ہوں آپ لوگوں میں کئی نیک اوصاف ہیں۔ مگر پھر بھی آپ عیسائی دنیا میں بدنام ہیں۔ بین الاقوامی کے تنازعہ میں آپ کو ہی غلطی پر سمجھا جاتا ہے۔ کیا آپ کو اس عالمگیر عداوت کی وجہ معلوم ہے؟ مدبر نے جواب دیا "ہاں مجھے معلوم ہے۔ اسواسطے کہ ہم عیسائی نہیں"۔ پوپ نے کہا "تو بالکل ٹھیک۔ پھر آپ عیسائی کیوں نہیں ہو جاتے۔" اسپر اس مدبر نے تدبر سے معقول جواب دیا۔ "عیسائی تثلیث کے قائل ہیں۔ ہم وحدانیت کے۔ ہم میں سے بعض ایک خدا کی پرستش اور عبادت سے بھی تنگ آ گئے ہیں۔ بھلا وہ تین خداؤں کی عبادت کب کریں گے"۔ وہ عیسائی مذہب کو تو کسی ایک صورت میں بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم اوس نے خیال کیا کہ یورپین لوگوں کی ظاہرا نمائش اختیار کرنے سے وہ یورپ کی عداوت کو کم کر سکتا ہے۔ اور کوئی شک نہیں اگر ٹرکی یورپ میں اسی طرح سے قائم رہتی تو یہ عداوت بہت ہی کم ہو جاتی۔ پس اس نے تمام عہدہ داروں کو یورپین لباس پہننے کا حکم دیا۔ اور سب سے پہلے خود پہنا۔ اور پگڑی اور جبہ کو الوداع کہا دقیانوسی خیال کے مسلمانوں اور مولویوں نے اسبات کی سخت مخالفت کی۔ مگر وہ اپنی مخالفت کو کسی مذہبی حوالے سے تقویت نہ دے سکے۔ یہ حدیث کہ من تشبہ بقوم فہو منہم۔ بالکل غلط ثابت ہوئی۔ تاہم سلطان محمود نے پرانی رسم کی کایا پلٹ دینے کے باوجود یورپین ٹوپی کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ متعصب مولویوں نے عذر دیا کہ رسول صلعم کافروں کی ٹوپی پہننے کی صاف صاف ممانعت فرما گئے ہیں۔ اسکے زمانہ میں عیسائی تثلیث کی یادگار میں سہ گوشی ٹوپی سر پر رکھتے تھے۔ اور تثلیث کا مسئلہ اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ معترضوں نے یہ بھی کہا کہ یورپین ٹوپی سے سجدہ کے وقت پیشانی زمین سے رگڑ نہیں کھا سکتی۔ پس سلطان نے یورپین ٹوپی کی بجائے ترکی ٹوپی کا استعمال شروع کیا۔ یہ ٹوپی زیادہ تر اس زمانہ میں یونانی، و مجمع الجزائر یونان کے باشندے پہنتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ سلطان محمود ثانی نے اپنے بزرگوں کے عمامہ و جبہ کو خیرباد کہنے سے کچھ برا کیا۔ تاہم

یہ افسوس کی بات ہے۔ کہ اُس نے خاص خ [illegible] سے ہی قدیم لباس کا پہننا ضروری نہ سمجھا۔ اس سے اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا تو یہ تو ضرور ہوتا کہ بزرگوں اور قدما کی نشانی بطور یادگار محفوظ رہتی۔ قدیم زمانہ کی تصویریں دیکھکر ہر ایک شخص قدیم شکل لباس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر طبقہ اور پیشہ کے لوگ خاص خاص وضع کی پگڑیوں۔ چوغوں۔ اور شلواروں وغیرہ کے ساتھ ان تصویروں میں نہ صرف خوبصورت ہی۔ بلکہ بارعب اور معزز معلوم ہوتے ہیں۔ اسوقت سے ٹرکی میں یورپین لباس کا رواج ہو گیا ہے۔ اور اب صرف غریب طبقہ کے لوگ۔ تجار۔ کاشتکار۔ اور علماء ہی قدیم وضع کا لباس پہنتے ہیں۔ میری دیکھا دیکھی مدرسے سے تعلق رکھنے والے قانونی کالج کے چار اور طلباء نے بھی اپنا لباس تبدیل کر دیا۔ اور ان کو اس تبدیل وضع کی وجہ سے مدرسہ کی اقامت چھوڑنی پڑی۔

فوجی خدمت سے بریت حاصل کرنے اور قانونی کالج کا آخری امتحان پاس کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اصل مشکلات کا آغاز تو اب ہوا ہے۔ اُسوقت میری روٹی کا گذارہ میری اپنی محنت و مشقت پر منحصر تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب کی شروع میں بتایا ہے۔ ہم کو ضبط شدہ جائداد کے ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اور گورنمنٹ کے برخلاف مقدمہ کے دوران میں اسی جائداد کی آمدنی سے وقتاً فوقتاً جو رقوم ملتی تھیں۔ اب وہ بھی بے ترتیبی سے ملنے لگیں۔ ان چھوٹی چھوٹی رقوم کے لئے جو ہمارا حق تھیں۔ میں نے پسند نہ کیا۔ کہ سلطان کے معتمد افسروں کے سامنے جبین سائی کروں۔ میری خواہش تھی کسی عدالت یا صیغہ عدالت عامہ میں کوئی ملازمت کروں۔ مگر میری کامیابی کی اُمید بہت کم تھی۔ جیسا کہ میں نے ان صفحوں میں بتانے کی کوشش کی ہے۔ عبدالحمید کے عہد میں رشوت کا وہ زور ہے کہ ہمارے ملک نے کبھی دیکھا نہ سُنا۔ کوئی شخص خواہ کیسا ہی لائق کیوں نہ ہو۔ ملازمت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اوس کا تعلق سلطان کے منہ لگوں سے نہ ہو۔ یا وہ کم از کم اعلےٰ افسروں کو رشوت نہ دے۔ یا کسی شخص پر کوئی سنگین پولیٹیکل الزام نہ لگائے۔ وہ جو پولیٹیکل الزام لگاتے ہیں۔ محل کے جاسوس کہلاتے ہیں۔ سلطان کے محل میں میرا کوئی نواحق نہ تھا۔ جو مجھ کو کوئی سرکاری اسامی دلواتا۔ اور میرے پاس روپیہ بھی نہ تھا

کہ کسی افسر کی نذر کرتا۔ اور جاسوسی کرنا میرے نزدیک ایک شرمناک فعل تھا یہ شخص بالکل جھک مارتا ہے۔ پہلے باب میں میں اسکی کافی تردید کر چکا ہوں۔ سلطان کے عہد کی برکات و فیوض سے کامل آگاہی حاصل کرنے کے لیئے حمیدیہ ایجنسی لاہور کی کتب متعلقہ دولت عالیہ عثمانیہ کا مطالعہ کریں۔ مترجم۔)

شاید مجھ پر سوال کیا جائے کہ تم سرکاری ملازمت کے ہی درپے کیوں ہوئے۔ کوئی اور کام کیوں نہ اختیار کیا۔ میں اس جواب میں لکھتا ہوں۔ کہ آجکل ترکی میں پڑھے لکھے آدمی سوائے ملازمت کے کسی اور طرح اپنا پیٹ پال ہی نہیں سکتے۔ اس امر کی توضیح کرنے کے لیئے میں سلطان کی مطلق العنان حکومت کے طریق انتظام کا ذکر کرتا ہوں۔

چونکہ سلطان ممتاز اور سربرآوردہ خاندانوں کے اقتدار اور رسوخ کو ملیامیٹ کرنے کی جدوجہد میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ لہٰذا ان لوگوں کے لیئے عرصہ روزگار تنگ ہو گیا ہے۔ اور وہ کوئی آزاد پیشہ اختیار ہی نہیں کر سکتے۔ وہ مجبور ہیں کہ قوت لایموت کے لیئے گورنمنٹ کے آستانہ پر جھکیں۔ اور اس سلطان کے پاؤں پر گریں۔ جس نے ترکی کے تمام ایسے وسائل پر جو آمدنی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اپنے حیطۂ اقتدار میں کر لئے ہیں۔

سچ بات تو یہ ہے کہ ترکی میں امرا کا کوئی طبقہ ہی نہیں رہا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار خطابوں کا دم چھلا لگائے ہوئے ایک اجنبی مسافر کو اس طبقہ کے ممبر معلوم ہوتے ہیں۔ مگر در اصل یہ عہدہ دار رعایا کے اسفل طبقہ کے لوگ ہیں۔ صوبجات میں ہمیشہ پرانے معزز خاندان ہوتے چلے آئے ہیں۔ جن کی اگرچہ عوام الناس بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مگر خود ان پر کسی قسم کی بزرگی و برتری کا اظہار نہ کرتے تھے۔ عہدہ دار جن کی تقرری سنٹرل گورنمنٹ کے ہاتھ میں تھی۔ ترکی صوبوں کے معمولی یا غریب لوگوں سے بالکل جدا تھے۔ موجودہ سلطان کے عہد تک یہی حالت رہی۔ جب عبدالحمید نے اپنی مطلق العنان حکومت کا سکہ جمایا۔ تو اس نے معلوم کیا کہ قدیم خاندانوں کی آزادی

اور غریبوں میں اون کا اقتدار و رسوخ اس کے لئے خطرہ کا موجب نہیں۔

اُس نے ان کو بگاڑنے کا پہلے یہ ڈھنگ نکالا کہ اون کو بڑے بڑے خطاب اور نشان مرحمت کیئے۔ غرض یہ تھی کہ ان کو ایسے اعزاز کا چسکا پڑ جائے اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ان اعزازوں کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ اُن میں حسد کی آگ پھیلے (یہ بات پہلی دفعہ معلوم ہوئی ہے کہ خطابوں اور نشانوں سے حسد کی آگ مشتعل ہوتی ہے۔ مترجم) علاوہ ازیں سلطان نے زرخیز علاقوں میں بڑے بڑے قطعات زمین خود دبا لئے۔ اور اس کی سول لسٹ کے منتظموں نے کسی نہ کسی بہانے سے مقامی رئیسوں اور سرداروں کی زمینوں اور جائدادوں پر قبضہ کر لیا۔ (سول لسٹ سے مراد صرف خاص کی رقم سے ہے۔ مترجم) پس وہ رئیس اور سردار جو کسی وقت آزاد زمیندار تھے۔ خطابوں سے سرفراز ہو کر محل کی غلامی میں داخل ہو گئے۔ اب وہ لوگ اون تنخواہوں پر گذارہ کرتے ہیں جو انکو پبلک خزانہ سے دیجاتی ہیں۔ اور خزانہ میں روپیہ اُن محصولوں سے جمع ہوتا ہے جو غریب کاشتکاروں اور مالکوں سے لئے جاتے ہیں۔

فی زمانہ ترکی رعایا کے گذران کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے فخر اور غرور کو بالائی طاق رکھیں۔ اور مزدوری۔ چھوٹی موٹی تجارت۔ خوردہ فروشی یا کمپنیوں میں نوکر رہکر کام کریں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح بن پڑے سرکاری ملازمت حاصل کریں۔

ایک تعلیم یافتہ آدمی ملازمت کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس وقت ترکی میں ضرورت سے بڑھ کر عہدے دار ہیں۔ اور اسی سبب سے ان کی تنخواہیں قلیل اور اکثر بقایا میں رہتی ہیں۔ تنخواہ کا ملجانا ہی سلطان کی فیاضی سمجھی جاتی ہے۔ اور اگر ترقی مل جائے تو پھر تو کمال ہی ہو گیا۔ صرف اون لوگوں ہی کو بقایا تنخواہ یا ترقی ملتی ہے۔ جو سلطان کی ہوا خواہی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

ایک عہدہ دار کے لئے بہترین طریقہ اپنی خیر خواہی اور نمک حلالی جتانے کا یہ ہے کہ وہ دوسروں پر سلطان کے برخلاف سازش کرنے

کا الزام لگاتے ہے۔ جو لوگ اسطرح اپنی خیر خواہی کا اظہار نہیں کرتے جلاوطن ہوتے ہیں۔ قید ہوتے ہیں۔ دار پر کھینچے جاتے ہیں۔ اور جو قسمت والا ان سزاؤں سے بچ رہتا ہے۔ فاقوں کی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

آج کل ترکوں کے لئے اپنے ملک میں روپیہ کمانے کے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ کوئی شخص تجارت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور بیرونی دنیا سے تعلقات پیدا کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔ کوئی شامت کا مارا بفرض کاروبار غیر ملک سے تعلق پیدا کرے تو محل کے جاسوس جھٹ سازش کا الزام لگا کر پھانس لیتے ہیں۔ ترکوں کے لئے تجارت، صنعت وحرفت اور روپیہ کمانے کا کام قطعاً ممنوع ہے۔ دو شخص آپس میں ملکر کوئی کاروبار نہیں کر سکتے۔ ایسا کرنا سازش کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص پر ایسا الزام لگ جائے تو اس کی بریت ناممکن ہے۔ جاسوس کامل اختیارات رکھتے ہیں۔ انکی رپورٹوں کی تحقیقات نہیں کیجاتی۔ اور جتنی محال اور برخلاف عقل رپورٹیں وہ کریں اتنی ہی ان کی قدر ہوتی ہے۔ پس میں کسی طرح بھی ملازمت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر قانونی کالج کے ڈپلومہ نے مجھے بیرسٹری کا کام کرنے کے قابل بنا دیا تھا۔ پس میں نے قانونی پیشہ اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اگرچہ اس آزاد پیشہ میں بھی کوئی آزادی نہیں۔ کیونکہ میں افسر علاقہ کی نگرانی میں تھا۔

میرے ڈپلومہ ہولڈر ہم جماعتوں میں سے چند ہی نے وکیل بن کر پریکٹس کرنے کا ارادہ کیا۔ باقی سب ملازمت کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ جنہوں نے وکیل بننے کا ارادہ کیا۔ ان کے پاس اس کام کو شروع کرنے کے لئے کافی سرمایہ نہ تھا۔ تاہم میں بہتوں سے اچھا تھا۔ اس زمانہ میں میں فرصت کے وقت ایک مشہور معروف ترک پبلشر اور عالم کے جو اب ایشیائے روم کے ضلع قونیہ میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ دفتر میں کام کرتا تھا۔ میں اس کے رسالہ میں مضمون دیا کرتا اور اس کے پروف ٹھیک کیا کرتا۔ اسوقت سلطان ابھی علم کے بیخ کنی کے درپے نہیں ہوا تھا۔ آخر وہ اسطرف بھی متوجہ ہوا۔ کئی پریس اور اخبار بند کئے گئے۔ کتابیں جلائی گئیں۔ اور علمی دنیا سے متعلق لوگوں کو جلاوطن کیا گیا۔ اس دفتر میں

میں نے قسطنطنیہ کے ایک عیسائی مقیم سے جو اخبار ٹائمز کا نامہ نگار تھا۔ واقفیت پیدا کی۔ اس جنٹلمین اور اس کے یورپین دوستوں نے ترکی گورنمنٹ سے چند معاملات کا تصفیہ کرنا چاہا۔ وہ کبھی کبھی مجھ سے ترکی دستاویز لکھاتے۔ اور اپنی طرف سے ترک دفتروں میں بھیجتے تھے۔ وقتاً فوقتاً ان کے کام پر جانے سے میری محل کے بلند اعلےٰ حکام تک بلکہ خود محل تک رسائی ہوگئی۔ اسطرح مجھے محل کی منصوبہ باز پارٹی کو کام کرتے ہوئے دیکھنے کے موقعے ملجاتے۔

اب میں ترکی سلطنت کے حکمراں مرکز کا ذکر کروں گا۔ اور میرا خیال ہے۔ اس کا ٹھیک ٹھیک علم ان انگریز پولٹیشنوں کو بھی نہیں۔ جو معاملات روم میں گہرا انٹرسٹ رکھتے ہیں۔ اس باب میں پہلے اس شخص نے سلطان پر تعلیم کی مخالفت کا الزام لگایا ہے۔ سو اس بارہ میں ہم ایک واقفکار کی رائے درج کرتے ہیں۔ تعلیم سلطان کا پیارا اور خاص مضمون ہے۔ اس کا شوق تعلیم عشق کے درجہ کو پہنچا ہے اور مسلمانوں میں بعد خلفائے عباسیہ کے کسی اور بادشاہ کو تعلیم کے بارہ میں اتنا غلو نہیں ہوا جتنا عبدالحمید کو ہے۔ یہ عشق اس درجہ تک اس کے مزاج میں دخیل ہے۔ کہ جب روسی فوجیں اڈریانوپل کو فتح کر کے دراسپہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اور گویا قسطنطنیہ بالکل روسی فوجوں کے نرغہ میں تھا اور کوئی صورت مداخلہ کی نہ تھی۔ ہر ایک شخص کو اپنے ننگ و ناموس کا فکر تھا۔ دنوں بلکہ گھنٹوں کی دیر تھی۔ کہ دنیا میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوا اور چھ صدیوں کی ایک حکمراں قوم صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائے۔ اور اس کے بقیۃ السیف آثار عالم میں بے سروسامانی اور تباہی کے عالم میں سرگرداں ہوں۔ ایسے وقت میں سلطان نے مدرسہ ملکیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی غرض یہ ہے کہ اس مدرسہ کے پاس یافتہ طالبعلم سول سروس کالج میں تعلیم پایا کریں۔ جب لڑائی عارضی طور پر ختم ہوئی۔ اور سان سٹفانو کا عہد نامہ مرتب ہونے لگا۔ تو سلطان نے باوجودیکہ ابھی دم نہ لیا تھا اور روسی فوجیں قلمرو عثمانیہ میں قسطنطنیہ سے تیس میل کے فاصلہ پر پڑی ہوئی تھیں۔ کہ مدرسہ قانونی کا افتتاح کیا۔ مختصر یہ ہے کہ اس مبارک زمانہ میں جو بلاد عثمانیہ بلکہ کل اسلامی دنیا کے لئے روشنی اور برکت کا زمانہ ہے۔ سلطان

نے پچاس ہزار مدرسوں کی بنیاد ڈالی۔ جس میں زنانہ مدرسے بھی شامل ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ اور تاریخ کو اپنی رائے کی تصدیق اور شہادت میں پیش کرتے ہیں کہ کسی ملک اور قوم میں اتنے قلیل عرصہ میں اتنی تعلیم علم نہیں ہوئی۔ جتنی کہ عبدالحمید کے وقت میں ہوئی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ یورپ کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں ترک تعلیم میں ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اور اسکا عشر عشیر بھی انہیں نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ بات بات میں وہ اُن کے دست نگر ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ دعوٰے ہے کہ یورپ کی یہ ترقی صدیوں کی تعلیم کا ثمرہ ہے۔ اور ٹرکی نے فقط ایک بادشاہ کے عہد میں فقط پچیس برس کے مختصر زمانے میں تعلیم کو اس درجہ تک ترویج دی۔ جو واقعی قابل تقلید ہے۔

پھر ہر شخص سلطان پر الزام لگاتا ہے کہ وہ تجارت کا دشمن ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فی زمانہ ترقی تجارت کے بڑے وسائل ریل تار اور ڈاک سمجھے گئے ہیں۔ اور واقعی جو فوائد ان ذریعوں سے آج کل عام تجارت کو پہونچ رہے ہیں اون کی تکرار تحصیل حاصل ہے۔ سو اب اس الزام کا فیصلہ یہ دیکھنے سے ہو سکتا ہے کہ موجودہ سلطان نے اس صیغہ میں کوئی ترقی کی ہے یا نہیں۔ پہلے ریلوے کو لیجئے ۱۸۷۸ میں کل قلمرو عثمانیہ میں ۹۸۵ میل ریلوے تھی۔ ۱۸۸۳ میں اس کی وسعت ۱۰۷۰ میل تک ہوئی۔ ۱۸۸۶ میں ۱۵۲۱ میل تک پھیل گئی۔ ۱۸۹۱ میں ۱۳۰۰ میل تک پہنچ گئی۔ ۱۹۰۰ میں ۱۵۸۶ میل یورپ میں اور ۱۵۵۸ میل ایشیا کوچک میں جاری تھی۔ علاوہ برآں بصرہ بغداد ریلوے آجتک قریب ۴۴ میل اور حجاز ریلوے ۱۰۰ میل مکمل ہو چکی ہے۔ بصرہ بغداد ریلوے لائن ۱۶۰۰ میل لمبی ہوگی۔

تار برقی کا سلسلہ ۱۸۷۸ میں ۱۷۰۹۰ میل تھا۔ اس وقت ۳۱۸۹۰ میل سے زیادہ ہے۔

۱۸۷۸ میں تارگھر ۷۱۲۔ اور اب ۷۰۰ ہیں۔

یکم جنوری سنہ ۱۸۸۳ء کو ۳۴۳ ڈاکخانے تھے۔ اب ۱۵۴۲ کھلے۔

زراعت کو فروغ دینے کا ثبوت زراعتی بنکوں کے اجرا سے ہی ہو سکتا ہے جو غریب کسانوں کو ساہوکاروں کے ظالمانہ دست تطاول سے محفوظ کرنے کے

لئے جاری کئے گئے ہیں۔ بینک کا ہیڈ کوارٹر قسطنطنیہ میں ہے۔ مگر ۹ شاخیں اور ۳۲۹ ایجنسیاں قلمرو کے مختلف حصوں میں ہیں۔

صنعت و حرفت صرف اون کارخانوں سے اندازہ کرلو۔ جو اس سلطان کے عہد میں قائم ہوئے ہیں۔

اراضیات کے متعلق جو کچھ اسنے لکھا ہے وہ بھی بالکل غلط ہے۔ ٹرکی میں اراضی مندرجہ ذیل چار مختلف اقسام میں منقسم ہیں۔ (۱) میری یعنی اراضیات سرکاری (۲) وقف۔ اراضیات برائے مقاصد مذہبی و خیراتی (۳) ملکانہ یعنی عطیات شاہی (۴) ملک یعنی اراضیات لاخراج۔ ٹرکی کا اراضیات کا بہت سا حصہ میری ہے۔ اور وہ دوست سرکار سے برائے کاشت لیجاتی ہے۔ گورنمنٹ غیر مقبوضہ یعنی خالی قطعہ پر کاشت کرنے کا استحقاق بعض مقررہ رسوم لیکر عطا کردیتی ہے مگر اراضی مذکورہ پر اوسکا استحقاق ملکیت برابر قائم رہتا ہے۔ کیونکہ عطاء اراضی کی ایک یہ بھی شرط ہوتی ہے۔ کہ اگر مالک (یعنی قابض) تین برس تک اُسے کاشت نہ کرے تو وہ ضبط ہو جاوے گی۔ ممکن ہے۔ ایسی اراضیات ضبط ہوتی ہوں۔ جن کو اس بھلے مانس نے ایسے بُرے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔ باقی رہی سلطان کی سیول لسٹ۔ وہ ہر شخص جانتا ہے کہ اُس میں عبدالحمید نے گیارہ ملین پونڈ کی تخفیف کردی ہوئی ہے۔

آٹھواں باب

بالعالی اور یلدز کوشک

باب عالی کی حکومت کا قدیم ذکر۔ وزرا کی موجودہ حقیر پوزیشن۔ یلدز کا سلسلہ مطلب۔ سلطان کی اصلی صورت۔ یلدز میں اس کے رہنے کے وجوہات۔ ایک قلعہ بند محل۔ اس کے باغات اور جنگل۔ ایک فیاض خرچ ہوٹل۔ محل کے ایوان

حکمراں اشخاص کا ان میں منجملہ ایک عالمگیر ناخدا۔ محل کے خانگی اخراجات سلطان کی سول لسٹ کے اسپنی منتظم۔

موجودہ سلطان کی عہد حکومت سے پہلے ٹرکی پر حکومت کرنے کا مرکز باب عالی تھا۔ مگر اسکی تخت نشینی کے وقت سے حکومت کا مرکز یلدز کاسک ہوگیا ہے۔ اگرچہ ڈپلومیٹک اور اخباری زبان میں باب یا بالعالی سے مراد گورنمنٹ ٹرکی سے ہوتی ہے مگر اب ایسا سمجھنا درست نہیں۔ یلدز کاسک کے حالات قلمبند کرنے سے پہلے سبلائم پورٹ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سبلائم پورٹ ترکی اصطلاح باب عالی کا فرانسیسی ترجمہ ہے۔ باب کے معنی دروازہ اور عالی کے معنی بزرگ کے ہیں۔ ٹرکی میں ہر حکومت کے مرکز کو باب کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ عدالتوں کے دروازے معدلت عامہ کے لئے ہمیشہ کھلے رہنے چاہئیں۔ وزیر اعظم اور تمام دیگر وزرا جو کونسل آف سٹیٹ کے پریزیڈنٹ ہوتے ہیں۔ وزیر صیغہ خارجہ اور وزیر صیغہ اندرونی معہ اپنے ماتحت عہدہ داروں کے باب عالی کے رکن ہوتے ہیں۔ بالعالی تمام سرکاری دفاتر میں سب سے زیادہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ وزیر معدلت عامہ۔ وزیر صیغہ مال وزیر تعمیرات عامہ۔ وزیر سررشتہ تعلیم۔ وزیر صیغہ جنگ وغیرہ کے دفاتر جو مختلف کوارٹروں میں بنے ہوئے ہیں۔ اور بالعالی سے کمتر سمجھے جاتے ہیں۔ اور باب کہلاتے ہیں۔

وزرا کی کونسل وزیر اعظم کی زیر صدارت باب عالی کی عمارت میں منعقد ہوتی ہے۔ اگرچہ دکھاوے کی طور پر امورات سلطنت کی نگرانی وزیر کے سپرد ہے مگر در اصل آج کل وہ صرف وہی سرکاری کام سرانجام دیتے ہیں جو محل کی پالیسی ان کے تحویل ہی کرتی ہے۔ ٹرکی کی مجلس خاص کے موجودہ وزیر یا تو ایسے آدمی ہیں کہ ان میں لیاقت نام کو نہیں۔ یا ایسے ہیں کہ گویا ہیں ہی نہیں۔ ان کا عدم وجود برابر ہے اور ان کو محض محل کی پالیسی کے احکام کی تعمیل کے لئے مقرر کیا جاتا ہے یہ وزیر سلطان کے بارسوخ درباریوں کی سفارش سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور ان ہی کی زیر حمایت رہکر برقرار رہتے ہیں۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ محل سے موصول شدہ کاغذات پر دستخط اور ان پر بحث کرنے کے سوائے۔ مجلس کے وزرا سلطنت کے

امورات پر بطور خود بحث کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہ ہمیں عام طور پر معلوم ہوا ہے کہ وزرا کی باہمی گفتگو محض موسم اور دیگر ایسی ہی باتوں پر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ کابینہ میں ایک دفعہ شیخ الاسلام نے گفتگو کی ابتدا اسطرح پر کی کہ "ہمارے آقائے نامدار کی مہربانی سے آج موسم بہت اچھا ہے۔" وزیروں میں سے کوئی بھی کسی پولیٹکل مسئلہ پر رائے دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ اپنے ماتحتوں کی طرح وزیروں کا بھی فرض ہے کہ ایک دوسرے کے برخلاف جاسوسی کرتے رہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مجلس خاص کا وزیر آج کل محض نام کے وزیر ہیں۔

جب رشید پاشا (جو جنگ کریمیا کے وقت وزیر اعظم تھا) علی پاشا۔ جواد پاشا (جو مرحوم سلطان عزیز کے ہمراہ اس ملک میں آیا تھا) اور مدحت پاشا (جس نے سلطان کو دار العوام کی تجویز کو منظور کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اور جو مکہ کے نزدیک مقام طائف میں جلاوطن ہو کر گھل گھل کر مر گیا) جیسے مدبر موجود تھے۔ تمام اختیارات کا مرکز باب عالی تھے۔ اس بات کی وجہ کہ جب عبد الحمید نے باب العالی کو تمام اختیارات سے محروم کر دیا ہے۔ تو پھر اس نے اس کو قائم ہی کیوں رہنے دیا ہے۔ یہ ہے۔ کہ بعض جانجوکھوں کے وقت اس نے وزیروں کے ذریعہ بڑے بڑے کام نکالے ہیں۔ سلطان نے ابھی پچھلے دنوں میں ہی دول یورپ کے سفراء کو یہ کہہ کر الو بنا دیا تھا کہ بین الاقوامی کے تنازعات کا تصفیہ باب عالی کے اختیار میں ہے۔ اسطرح اُس نے اس ذمہ داری سے چھٹکارا پالیا۔ جو بدعملی اور بدنظمی کے باعث اس پر وارد ہوتی تھی۔ وہ عمارت جس میں باب عالی کے دفاتر ہیں۔ قسطنطنیہ کے اسلامی کوارٹر میں مسجد ایا صوفیہ کے پاس واقع ہیں۔

میں نے یہ تو بتا دیا ہے کہ باب عالی کیا تھا اور اب کیا رہ گیا ہے۔ اور اس بات کا بھی اشارہ کر دیا ہے کہ اب وہ حکومت عثمانیہ کا مرکز نہیں ہے۔ اب یلدز کوشک کا ذکر کرتا ہوں۔ یلدز کے معنی ترکی زبان میں ستارہ کے ہیں۔ وہ خوبصورت پہاڑی جو باسفورس کے یورپی کنارہ پر انتہا کے سرے پر بحیرہ مارمورا کے نزدیک واقع ہے یلدز کہلاتی ہے۔ کاسک یا جیسا کہ ترکی میں ہے کوشک کے معنی قلعہ یا مکان کے ہیں۔ میرا خیال ہے سلطان عبد الحمید نے یلدز پہاڑی کی چوٹی

پر ایک قلعہ بنوایا۔ اور اُسکا نام یلدز کوشک رکھا۔ روایت ہے۔ کہ سلطان نے یہ قلعہ اپنی ایک معشوقہ کے لئے بنوایا تھا جس کو سلطان کی بیوی اور ماں حرم میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ معشوقہ ارمنی تھی۔ اور موجودہ سلطان اس کے بطن سے ہے۔ اگرچہ عبدالحمید کے خال و خط ارمنوں جیسے ہیں اور اس کے عادات و خصائل بھی ان سے ملتے جلتے ہیں۔ تاہم اس روایت میں صداقت کا بہت کم گمان ہے۔

چھبیس سال ہوئے موجودہ سلطان یلدز محل میں آگیا۔ اس وقت یہ محل بالکل معمولی حالت میں تھا۔ اس تبدیل مکان کے کئی وجوہات بیان کئے گئے۔ سب سے زبردست وجہ یہ بھی کہ پرانے محل کی آب ہوا کی نسبت یلدز پہاڑی کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے۔ مگر اصل وجہ یہ ہے کہ یلدز محل ناقابل تسخیر ہے۔ اور وہاں سلطان کی ذات بہ پاس شہر کے حملوں سے جو اُسکو معزول کرنے کے لئے کئے جا سکتے ہیں محفوظ ہے۔ پچھلے چھبیس سالوں سے وہ یلدز کو خوب مضبوط اور مستحکم کرتا رہا ہے وہ جنگل جو پہاڑی کی چوٹی سے شروع ہو کر باسفورس کے کناروں تک چلا گیا ہے اس کے گرداگرد ایک لمبی اور مضبوط دیوار کھنچی ہوئی ہے مجھے اس جنگل میں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا بیان کیا جاتا ہے۔ دیوار کے گرد ہمیشہ سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے۔ چند سال ہوئے ہیں سعرتیا کی ایک پلٹن کئی ماہ تک یلدز محل کے جنگل میں کام کرتی رہی۔ سپاہیوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ جنگل میں چند سرنگیں ہیں اور زمین دوز راستوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ کیوں۔ اس کا پتا نا مشکل ہے۔ میں نے جنگل کی دیواروں کو اپنی زمانہ میں دیکھا۔ سب یلدز محل کے پاس سیر کرنا ایک غیر شخص کے لئے ناممکن نہ تھا۔ دیوار کے پاس پاس کئی بارکیں ایک دوسرے سے تیس گز کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں۔ ان بارکوں میں عرب۔ البانوی)۔ اور ترک فوجیں رہتی ہیں۔ مختلف پلٹنوں کے سپاہیوں میں بہت کم تفاوت ہے مگر سپاہ ہوانیا کہ ان بھولے بھالے سپاہیوں کے دل میں باپ (یہ سپاہی سلطان کو باپ کہہ کر پکارتے ہیں) کی محبت کا ایسا بیج بو دیا گیا ہے کہ وہ اس کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار ہیں۔ ان بارکوں کے پیچھے پہاڑیاں اور وادیاں

ہیں جن میں جا بجا چوکیاں بنی ہیں۔ اور پہرا کڑا رہتا ہے۔ چند سال ہوئے جب حکومت سے بیزار ترک بے تاب ہو کر آپے سے باہر نکل گئے۔ تو سلطانی سپاہ محافظ کے ایک نوجوان افسر نے محل اور اس کے حفاظتوں کا ایک نقشہ نہایت احتیاط سے کھینچا۔ اور تمام ضروری مقامات اس میں دکھائے۔ کچھ سال ہوئے جنیوا کے شوریدہ سر ترکوں نے اس نقشہ کو شائع کیا۔ اور اسکا نام رکھا "یلدز کوشک پر حملہ کرنے سے متعلق ہدایات،، بیان کیا جاتا ہے کہ اس نقشہ کے شائع ہو جانے پر سلطان نے یلدز کی حفاظتوں کو تبدیل کر دیا۔

بیگمات شاہی کے محلات اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت و شاندار کاسک جنگل کے اندر بنے ہوئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے جنگل۔ چمنوں۔ گلزاروں۔ سڑکوں جھیلوں اور نہروں سے معمور ہے۔

محل کے باغات بھی کئی۔ گنبددار ایوان ہیں۔ ان میں جو زیادہ خوشنما اور آراستہ ہے اس میں سلطان اپنے معزز مہمانوں کو دعوت دیتا ہے۔ قیصر جرمنی جب قسطنطنیہ آیا۔ دونوں دفعہ اسی ایوان میں اترا۔ سلطان اپنے مہمانوں کو ہمیشہ یلدز کوشک کے اندر ہی اتارتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی ملاقات کی غرض سے محل سے باہر نہ جانا پڑے۔ یہ بات تو عام طور پر مشہور ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات اور ان کے آرام کا بیش از بیش اہتمام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکو بطور طنز فیاض مہتمم ہوٹل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (واہ صاحب جو سلطان مہمان نوازی کے اسلامی شعار بجا لائے۔ وہ آپ کے نزدیک حقیر ٹھیرے۔ مترجم)

سلطان محل کے جنگل میں ورزش اور سیر کرتا ہے۔ اسکی بڑی تفریح یلدز تھیٹر کا تماشہ دیکھنا ہے۔ وہ خود بمعہ بال بچوں اور ممالک غیر کے معزز مہمانوں کے اس تھیٹر کے کھیل دیکھتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ خود تو وہ جدید ترین سامان سے آراستہ و پیراستہ تھیٹر کی بہار لوٹتا ہے۔ مگر رعایا کو پولیس کے ذریعہ سے ایسی تفریحوں سے باز رکھتا ہے۔

افسروں۔ عہدہ داروں اور فوجی ملازموں کے مکانات جنگل کے بلند

ترین حصّہ میں بنے ہوئے ہیں۔ ارمنی کوہ کے بالمقابل ساحل بحر پر محل چراغان واقع ہے۔ جسمیں عبدالحمید کا قیدی سابق سلطان مراد رہتا ہے۔ (سلطان مراد فوت ہوچکا ہے۔ مترجم) اور اس کی سخت نگرانی کیجاتی ہے۔ پہرہ داروں کے علاوہ کوئی شخص اوس محل کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ افسروں اور عہدہ داروں کے دفاتر پہاڑ کی چوٹی پر دیوار سے احاطہ کئے ہوئے باغ کے پاس ہیں۔ عہدہ داروں کے مکانات اور سلطان کے دفاتر اور کوارٹروں کے درمیان جو اندرونی راستہ ہے اسکو مابین کہتے ہیں۔ مابین ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی درمیان کے ہیں یہی وجہ ہے کہ سلطان کے زنانہ محل کو اصطلاحاً مابین کہتے ہیں۔ تاکہ وہ دیگر شاہی محلات سے ممیز ہے۔ ان دفاتر کے سامنے ایک اور وادی ہے۔ جس میں پہلے ترک اور ارمنی۔ خاندان رہتے تھے۔ ان کے گھر اب سول سٹ کی نذر ہوگئے ہیں مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے لوگ یلدز کوشک سے دور رہیں۔ اس وادی کے پرے ایک اور بلند پہاڑی ہے۔ جس پر امرا و وزرا کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہ مکان سلطان نے اپنے امیروں کے لئے اپنی گرہ سے بنوائے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ سلطان کو ڈر تھا کہ کہیں اس زمین پر پیرا کے یورپین قابض ہوکر مکانات نہ بنوالیں۔ اور اسطرح یلدز کوشک تک اپنا کوارٹر وسیع نہ کرلیں۔

سلطنت کی کسی ایک برانچ سے متعلقہ امورات کا تصفیہ خال خال صورتوں میں ہی سلطان کے درباریوں اور بڑے بڑے سکرٹریوں کے سپرد کیا جاتا ہے اور وہ پہلے ساری حقیقت حال سلطان کے گوش گذار کرکے پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ بطور مثال۔ حالانکہ سلطنت کے قانون کے بموجب ابھی تک صیغہ جنگ موجود ہے۔ جس کے سپرد فوجی معاملات ہیں۔ مگر باوجود اس بات کے محل میں منظور نظر سٹاف افسروں کی ایک کونسل ہے۔ جو تمام ضروری فوجی معاملات کا فیصلہ کرتی ہے۔ محل میں جاسوس اور پولیس کا محکمہ ہے۔ حالانکہ سلطنت کا صیغہ پولیس بمعہ بیشمار افسروں کے ابھی تک موجود ہے۔ محل میں سلطان کے دو منشی موجود ہیں۔ جو مسلمانوں کے معاملات پر نظر رکھتے ہیں۔ اور اسلامی دنیا میں سلطان کی خلیفہ ہونے کی پوزیشن کی کنسوہ لیتے رہتے ہیں۔ کہ آیا وہ پوزیشن بدستور قائم

ہے۔ یا اس میں کچھ فرق آگیا ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام کا محکمہ بیشمار افسروں کے تا ہنوز قایم ہے۔ اور قانوناً تمام ایسے مذہبی معاملات اُس کی تفویض میں ہو چکے ہیں یلدز میں ایک پولٹیکل اور ترجمے کا محکمہ ہے۔ جو یوروپ کی پولٹیکل کتابوں اور پولٹیکل اخباروں کے اون مضامین کو جانچ پڑتال کرتا رہتا ہے۔ جو ٹرکی سے متعلق ہوں اور جن میں ڈپلومیٹک معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ گو قانوناً یہ کام باب عالی کے صیغہ خارجیہ کے سپرد ہے۔ یلدز کوشک کا محکمہ تار و ڈاک شہر کے تمام ڈاک خانوں سے زیادہ مصروف و مشغول رہتا ہے۔ تمام گورنمنٹ کمانڈنٹ ایجنٹ سفیر قاصد اس ڈاکخانہ کے ذریعہ براہ راست محل میں پیغام ارسال کرتے ہیں۔ وہ اشخاص جو سلطان کے گرد ہالہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور سلطنت پر حکومت کر رہے ہیں۔ مختلف مذہب و ملت کے ہیں۔ اون میں سے چند یورپین ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے اصل حال سے واقف ہے۔ وہ اسبات کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہ کرے گا۔ کہ ٹرکی کی موجودہ حکومت اصل ترکوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ گو جو کچھ اس شخص نے لکھا ہے اسکو درست بھی مان لیا جاوے۔ تو سلطان کے نیک ارادوں میں کوئی شک نہیں پیدا ہو سکتا۔ چونکہ ترک کچھ عرصہ سے زمانہ کی رفتار و حال سے غافل اور بےخبر ہو چکے ہیں۔ سلطان مجبور ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے سارے معاملات کا تصفیہ بذات خود کرے۔ سلطنت کے محکموں کے علاوہ اپنی ذات کے لئے پرائیویٹ محکمے رکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ بلکہ موجودہ حالت میں بہت فائدہ ہے۔ مثلاً محل کے عہدہ داروں میں ترک کم ہوں۔ مگر اس میں سلطان کا کیا قصور ہے اگر اسکو لایق ترک ملتے تو کیا وہ غیروں کو پسند کرتا۔ ہرگز نہیں۔ سلطان کی سخت جد و جہد کے باوجود ٹرکی جو ابھی تک اُس دم خم میں نہیں آئی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ترک ابھی تک اپنے ہوش میں نہیں آئے۔ اگر ان کو ہوش آجاتا۔ تو سلطان سلطنت کے محکمے چھوڑ پرائیویٹ محکمے ہی کیوں قایم رکھتا اور سارا بوجھ اپنے ذمہ لیکر اس قدر مشکلات میں پھنستا۔ بہر حال مسلمانوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ جو شخص اس وقت تخت سلطنت پر رونق افروز ہے وہ بڑا مدبر و دانا ہے اور ہر طرح مسلمانوں کی حالت کو سنوارنے کی کوشش

کر رہا ہے۔ اگر مسلمانانِ خاص کر ترکی رعایا عبدالحمید کے فرمانوں کو دل وجان سے بجا لاتی رہی۔ تو بفضل خدا سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اور اگر موجودہ سلطان کے عہد میں بھی ترکی نہ سنبھلے اور کروٹ نہ بدلی۔ تو جان لو مشیت ایزدی یہی ہے کہ مسلمان غلامی کی زندگی بسر کیا کریں۔

اس سلطان کے متعلق کچھ عرصہ ہوا۔ لنڈن کے فائنشل گزٹ میں ایک باخبر انگریز نے لکھا تھا۔ روئے زمین پر قیصر جرمنی یا اوس کے بڑے سے بڑے مدبر کا ہم پلہ بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اگر کوئی پولیٹیشن موجود ہے تو وہ سلطان ٹرکی ہے۔ یہ میری اپنی ہی رائے نہیں بلکہ انگلستان کے ایک بہت بڑے مدبر نے بھی جو نصف صدی تک ملک کی قابل قدر خدمات کرتا رہا ہے ایک دفعہ اپنی تقریر کے دوران میں یہی خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ یورپ بھر میں اس وقت دو تاجدار مدبرانہ عالی دماغی و بیدار مغزی سے بہرہ مند ہیں۔ اول سلطان عبدالحمید خان۔ اور دوم ملک معظم ایڈورڈ ہفتم۔" اس کے بعد ہی موجودہ حالت پر بحث کر کے انگریز لکھتا ہے وہ سلطان درحقیقت نہایت ہی صلح جو۔ اور امن پسند واقع ہوئے ہیں۔ اور تہذیب و تمدن کے بڑے حامی ہیں اور اپنے ملک کی مالی۔ علمی۔ اخلاقی اور نیز دیگر ہر ایک قسم کی ترقی میں بقدر امکان سعی و تدبیر سے دریغ نہیں کرتے"۔ بھلا ایسے عالی دماغ سلطان کی پالیسی کو مکتب کا پڑھا ہوا اور اغیار کے دام میں پھنسا ہوا ایک نمک حرام اور غدار ترک کیا سمجھ سکتا ہے۔ مترجم)

سینکڑوں افسر۔ عہدہ دار۔ اور خدمت گار محل کے اندر رہتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے محل کی آبادی میں کھانا تقسیم ہوتے دیکھا۔ بے شمار خدمتگار سروں پر رکابیوں سے معمور سینیاں اُٹھائے ہوئے ادھر سے اُدھر اور بسرعت جلدی جلدی قدم اٹھا کر جا رہے تھے۔ طباخوں اور نائب طباخوں کی تعداد دو سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ محل کے خدمتگاروں کا خرچ روزانہ پانچ ہزار پونڈ ہے۔ مگر یہ گراں قدر رقم سلطان اپنے صرف خاص سے دیتا ہے۔ سول لسٹ کی آمدنی بہت ہی زیادہ ہے۔ اور مختلف وسائل

سے حاصل ہوتی ہے۔ قریباً تمام قابل قدر جائدادیں اور زمینیں اناطولیا اور شام کے زرخیز و سرسبز اضلاع ہیں۔ بغداد اور خلیج فارس کے ساحلی قطعات سلطان کی ملکیت اور اُس کی پرائیویٹ آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ مزید برآں آجکل تمام اختیارات اُس کے اپنے ہاتھ میں ہیں وہ پبلک خزانہ سے جس وقت جتنا روپیہ چاہتا ہے۔ منگا لیتا ہے۔ سلطان کی مقررہ ماہوار آمدنی پچاس ہزار پونڈ ہے۔ باب عالی نے ایک دفعہ اسکو گھٹا کر تیس ہزار پونڈ کر دیا تھا۔ مگر جیسا کہ میں نے پہلے بتا دیا ہے۔ کہ باب عالی کا اب عدم وجود برابر ہے: پچھلے بیس سالوں میں سول لیسٹ کی آمدنی بیش از بیش بڑھ گئی ہے۔ اور اُس کے منتظم سارے کے سارے بغیر کسی استثناء کے ارمنی لوگ ہیں۔ ان ارمنی افسروں میں ایک اغوب پاشا پہلا شخص تھا۔ جس نے سلطان کو صوبجات کے سربرآوردہ مسلمانوں کی جائدادیں غصب کر لینے کا مشورہ دیا تھا سول لیسٹ میں روپیہ کی کبھی کمی نہیں ہوئی۔ مگر ترکی کا پبلک خزانہ اکثر خالی رہتا ہے۔ باوجود اس امر کے محل کے وہ افسر جو پبلک کی خدمت ادا بھی نہیں کرتے۔ پبلک خزانہ سے تنخواہیں پاتے ہیں۔ خزانہ کو جو رقم صرف جاسوسوں کی تنخواہیں محل میں بھیجنی پڑتی ہیں۔ نوّے ہزار پونڈ سالانہ ہے محل کے اخراجات کے علاوہ سول لیسٹ میں سے صرف دربار کے اہلکاروں کی تنخواہیں۔ سلطان کی خیرات کا روپیہ اور تحائف وغیرہ کے لئے روپیہ لیا جاتا ہے۔

شہزادوں اور شہزادیوں کو بھی پبلک خزانہ سے ہی وظائف ملتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شاہی خاندان کے ممبروں (جو الگ چھوٹے چھوٹے محلوں میں سات پردوں کے اندر رہتے ہیں اور سلطان کے ڈر سے قوم کے راہ و رسم پیدا نہیں کرتے) کے وظائف سلطنت کے عہدہ داروں کی طرح بقائے میں رہتے ہیں۔ اور ان کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ (اس شخص نے جو یہ کہا ہے کہ باب عالی نے سول لیسٹ کی تنخواہ کم کر دی ہے۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ سلطان نے بطور خود اپنی تنخواہ کم کر دی تھی.

مکمل اور مفصل اور ٹھیک ٹھیک حالات کے لئے دیکھو تینتیس سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید۔ مطبوعہ حمیدیہ پریس و ایجنسی لاہور۔ مترجم)

نواں باب

رسم سلامتی (سلاملک)

سلطان کی خدمت میں اپیل کرنے کا قدیم رواج موقوف ہو گیا ہے۔ وہ محل سے ہفتہ میں ایک بار ہی باہر نکلتا ہے۔ سلاملک۔ مذہبی رسومات اور مقدس کاروان۔ مکہ کی طرف اسکی روانگی۔ فوجی نمائش۔ مسجد حمیدیہ۔ اس کا محل کے نزدیک ہونا۔ حفظ ما تقدم۔ محل کے پہرے۔

چونکہ سلطان نے تمام اختیارات کا مرکز اپنے محل کو بنا لیا ہے۔ یہ خیال ہوگا کہ لوگ دادخواہی کے لئے محل کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہونگے۔ مگر نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ جاسوسوں کے سوا کوئی شخص اپنی ذات صفات اتہ پتہ اور کام بتلائے بغیر محل کے ایوانوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سلطان کی رعایا کے وہ بد قسمت اشخاص جن کا محل کے افسروں کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ دادخواہی کے لئے قدیم وزارتوں چارہ جوئی کرنے میں اپنا وقت اور روپیہ یوں ہی ضائع کرتے ہیں۔ ان لکھوکھا بد قسمت لوگوں کو دادرسی کی کوئی امید نہیں۔ دس سال قبل ازیں مظلوم و ستم رسیدہ اشخاص سلطان کی خدمت میں اپیل کر سکتے تھے۔ سلاملک کے موقع پر جبکہ وہ جامع مسجد کی طرف جاتا تھا۔ لوگ صفوں کو کاٹ کر اسکی خدمت میں اپنی عرضیاں پیش کر دیتے تھے۔ (وہ صرف سلاملک کے موقع پر ہی اپنے محفوظ محل سے باہر نکلتا ہے) مگر اب سلطان کی خدمت میں براہ راست عرضیاں پیش کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ کیونکہ سلاملک کی رسم مختلف طریقوں سے ادا کی جاتی ہے۔

انگریزی اخبارات میں سلاملک کی ترکی اصطلاح اکثر دیکھنے میں آتی ہے۔ مگر اسکو اچھی طرح وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جنہوں نے ممالک غیر کی سیاحت کی ہے

یا جن کو دوسرے ممالک کے حالات معلوم کرنے کا موقع ملا ہے۔

سلاملک ایک فوجی رسم ہے۔ جو ہر جمعہ کے روز جب دولت عثمانیہ کا حکمراں تزک و احتشام کے ساتھ اپنے محل سے مسجد کیطرف جاتا ہے۔ ادا کی جاتی ہے۔ سلام کے معنی آداب بجا لانے کو کہتے ہیں۔ اور سلاملک اُس فوجی اعزاز و آداب کو کہتے ہیں جو اس موقع پر بادشاہ کا کیا جاتا ہے۔

عام سلاملک کے علاوہ سال میں پانچ اور موقعوں پر ایسا ہی تزک و احتشام کیا جاتا ہے۔ مگر ان موقعوں پر دھوم دھام زیادہ ہوتی ہے۔ اور سلطان ان تمام ملکی و فوجی اور مذہبی عہدے داروں اور امیروں کو شرف ملاقات بخشتا ہے۔ جو اُس وقت دار الخلافہ میں موجود ہوں۔ وہ سلاملکیں تو عیدین کے دن ہوتی ہیں تیسری ماہ رمضان کے پندرہویں کو۔ سلطان سے لیکر ادنے اراکین سلطنت تک رسول مقبول صلعم کی یادگاروں کی زیارت کرتے ہیں۔ چوتھی حضرت سرور کائنات کی ولادت کے دن۔ جب سلطان بمعہ اعیان مجلس اور وزرا مسجد کو جاتا ہے۔ میلاد شریف سنتا ہے۔ پانچویں مقدس کارواں کی روانگی کے دن روانگی کی رسم بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے ادا کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس موقعہ پر سلطان محل سے باہر نہیں آتا۔ مگر خیال ہے کہ وہ محل کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر کارواں کو سلام کرتا ہے۔ بہت سے لوگ کارواں کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسکی روانگی کی رسم صرف شاہانہ ہی نہیں۔ بلکہ مذہبی بھی ہے۔ یہ مقدس کارواں ہر سال سلطان کے دار الخلافہ سے ماہ رمضان کے وسط میں روانہ ہوتا ہے۔ وہ صندوق جن میں حرمین الشریفین کے لئے تحائف اور ہدیے بند ہوتے ہیں۔ اُونٹوں پر بار ہوتے ہیں۔ یہ اونٹ زیورات اور مرصع نگارینوں سے سجے سجائے قسطنطنیہ کے بازاروں میں سے گذرتے ہیں۔ اُن کے ہمراہ باوردی عرب ہوتے ہیں۔ جو بارونق حلقوں میں تلوار کے کرتب دکھاتے ہیں۔ اور اُن کے ہمراہی زور زور سے طبل بجاتے ہیں۔ ہزارہا لوگ اس نظارے کے دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ قافلہ کی روانگی سے پیشتر ذی حیثیت آدمی یا سیروں کے لئے نیز تن۔ تحائف اور پیشکش اپنے خاندان کے مذہبی سرپرستوں کے لئے

ہوئے حرمین الشریفین کیطرف پہنچتے ہیں۔ اس جلوس میں قابل دید چیز وہ کجاوے ہیں۔ جن پر خوبصورت زردوزی پردے پڑے ہوتے ہیں۔ تاکہ اسمیں بیٹھنے والے تمازت آفتاب سے محفوظ رہیں۔

اس جلوس کے ساتھ کئی سوار اور لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ وہ نظارہ واقعی قابل دید ہے۔ جب یہ نظارہ بلندی کی پہاڑیوں پر محمل کیطرف جانے کیلئے چڑھتا ہے۔ سڑک کے دونوں طرف فوج محافظ کے سپاہی صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر بے شمار مستورات کورٹ پہنے۔ حجاب لگائے گوناگوں رنگ کے نقاب چہروں پر ڈالے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ سارا ہجوم بالکل مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ کسی میں لڑائی جھگڑا مطلقاً نہیں ہوتا۔ ایک خاموشی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ ہاں ہاں کبھی کبھی قبول حج کی دعائیں اس خاموشی کے پردہ کو چاک کرتی ہیں۔ خلیفہ کے محل کے سامنے نماز پڑھنے کے بعد یہ قافلہ ساحل بحر کیطرف بڑھتا ہے۔ جہاں ایک خاص جہاز پر سوار ہو کر باسفورس کو عبور کر کے شہر کے ایشیائی حصے میں پہنچتا ہے۔

پہلے زمانوں میں یہ قافلہ سقوطری سے حجاز تک خشکی کے راستے سے جاتا تھا۔ مگر اب جہاز کے ذریعہ بیروت کی طرف جاتا ہے۔ اور دمشق پہنچنے سے پہلے یہ قافلہ قافلہ حجاج کی صورت اختیار نہیں کرتا۔ وہاں اس کے انتظام و اہتمام کے لئے ایک درباری جسکو سوار امینی کہتے ہیں۔ مقرر ہوتا ہے۔ ہزارہا حجاج دمشق سے قافلہ کی روانگی کی انتظاری کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے ہمراہ حجاز کیطرف روانہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ ایک دستہ فوج ہوتا ہے۔ جس کے باعث وہ لٹیرے بدوؤں کی دست برد سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر اثنائے خدانخواستہ میں حجاج کو کسی بات کا ڈر ہے تو وہ ان شریر بدوؤں کی لوٹ مار کا ہے ورنہ ہر طرح ان کو آرام رہتا ہے۔ اس فوجی حفاظت کے باوجود اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چالاک و پھرتیلا بدو چور رات کے پردہ میں اونٹوں کی ٹانگوں کے بیچ چھپتا لکتا ڈیرے میں گھس جاتا ہے۔ کسی غریب حاجی کو جان سے مار کر ان کا سامان لیکر رات کی اندھیروں میں غائب غلہ ہو جاتا ہے۔

بہت سے حاجی براہ جدہ سمندری سفر کرنے کی بجائے صحرائی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے ان کو کوئی مالی فائدہ متصور نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ خیال اسبات کا محرک ہوتا ہے کہ خدا کے کاموں میں جتنی زیادہ تکلیف اٹھائی جائے اتنا ہی زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح یروشلم کے راسخ روسی زائرین کرتے ہیں۔ وہ جافہ سے ریل پر نہیں جاتے۔ بلکہ پشتوں پر اپنا اسباب اٹھائے سڑکوں سڑک جاتے ہیں۔

ان سالانہ سلاملکوں کے علاوہ جیسا کہ میں نے بتلایا ہے۔ ہر جمعہ کو رسم سلاملک ادا کیجاتی ہے۔ اس رسم سے اہل یورپ بخوبی آگاہ ہیں۔ اس رسم کے بعد سلطان سفرائے دول غیر اور اپنے اراکین سلطنت سے ملاقات کرتا ہے۔

ہر جمعہ کی دوپہر کو سلطان کا محل سے نکلکر بکمال مہابت و جاہ و جلال سے مسجد کیطرف جانا پرانی رسم ہے۔ سلطان کو سوائے کسی ایسے عذر کے کہ جس میں وہ سخت لاچار ہے۔ ضرور بالضرور سرکاری طور پر مسجد میں آنا پڑتا ہے۔ شاہی اغراض کا خیال کرکے ایسے عذر کو بھی بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر سلطان حسب معمول جمعہ کے دن مسجد میں رونق افروز نہ ہو۔ تو لوگوں میں یہ خیال کہ سلطان قضا پا گیا ہے۔ پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ اور اس سے سخت تشویش۔ بدامنی اور انقلاب کے واقع ہو جانے کا احتمال ہے۔ موجودہ سلطان جمعہ کے روز مسجد کی طرف جانے کا بہ نسبت اپنے متقدمین کے زیادہ خیال رکھتا ہے۔ جب کبھی کسی ملک میں سلطان کی علالت طبع کی افواہ اٹھتی ہے۔ وہ فی الفور اپنے سفرا کے ذریعہ اس کی تردید کرتا ہے۔ بدیں خیال کہ کہیں یہ افواہ اڑتی اڑتی ٹرکی میں بھی نہ پھیل جائے۔ وہ ہمیشہ اسبات کا اظہار کرتا رہتا ہے کہ وابدولت بالکل تندرست و توانا ہیں۔ مگر وہ اکثر ان بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔ جو قضا و قدر نے انسان کے ساتھ مخصوص کر رکھی ہیں۔ اور جو کم و بیش ہر ایک کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ ان بیماریوں ہی کی وجہ سے ہے۔ کہ وہ ہر جمعہ کو سخت پیلا اور زرد رو معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وہ ان موقعوں پر باقاعدہ آتا ہے۔

یہی سلطان جمعہ کے ایام کو گھوڑے پر سوار ہو کر دارالخلافہ کی مختلف

مساجد میں رونق افروز ہوتے تھے۔ اور صرف فوج محافظ کے سپاہی ہی نہ کھڑے ہوتے تھے۔ بلکہ خلق خدا کا بھی ہجوم ہوتا تھا۔ مگر سلطان عبدالحمید نے اپنے لئے اپنے قلعبند محل کی دیواروں کے پاس ہی ایک مسجد بنوا رکھی ہے۔ سلاملک سے کچھ عرصہ پہلے اوّل دو دم ڈویژن کی فوجیں مسجد کے آس پاس چھا جاتی تھیں۔ پہلے البانوی روبلوں کی پلٹنیں آتی تھیں۔ پھر عرب زوبوں کی۔ پھر ملاحوں کی۔ اور اناطولین فوج پیدل کی۔ یہ سب چند قطاروں میں سڑک کے دونوں طرف کھڑی ہو جاتی تھیں۔ فوج رسالہ ان قطاروں کے پیچھے دونوں طرف اور دو قطاروں میں کھڑی ہوتی تھیں۔ ان سواروں کے پیچھے جنگی پولیس۔ اور اس کے پیچھے چند چند قدموں پر سول پولیس میں دو دو ہو کر استادہ ہوتے ہیں۔ جاسوسی جو اپنی مشکوک اور خوفناک شکل سے فوراً پہچانے جاتے ہیں۔ ادھر اُدھر گشت کرتے رہتے ہیں۔ آج کل مصیبت زدہ لوگ فوجوں کی آمدورفت کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ حسرت ہے اوس تعلیم یافتہ نوجوان ترک پر۔ جو فوجی قطاروں کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتے ہوئے جاسوسوں کے شک کا شکار ہو جائے۔ فوجی کالج کے طلبا کو حکم ہے۔ کہ اُس دن محل کے پاس نہ جائیں۔ ان پلٹنوں کے افسر سب کے سب سپاہیوں سے ترقی پا کر افسری کے درجہ کو پہنچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بھولے بھالے افسر خدا سے دوسرے درجہ پر خلیفہ کا ادب کرتے ہیں۔ اور اگر تعلیم یافتہ افسر ہوں۔ تو وہ نوجوان ترکوں کے ہم خیال ہوں۔ (ٹرکی میں چند نمک حرام لوگ اپنے آپ کو نوجوان ترک کر کے پکارتے ہیں۔ یہ شخص بکواس کرتا ہے کہ سارے تعلیم یافتہ ترک ان کے ہم خیال ہیں۔ ناظرین کو یاد ہوگا۔ فوجی خدمت کا ذکر کرتے ہوئے اس شخص نے لکھا تھا۔ کہ سپاہیوں کو افسری کے درجہ پر ترقی نہیں دیجاتی تنہا میرا سپاہی بھرتی ہونا آئندہ امیدوں کا خون کرنا تھا۔ اب دیکھو وہ کیا لکھتا ہے۔ کہ ان پلٹنوں کے سارے افسر سپاہیوں سے ترقی پا کر افسر بنے ہیں۔ اس شخص کے متضاد بیانات ہی اس امر کا کافی ثبوت دے رہے ہیں۔ کہ وہ کسی ذاتی طمع کی غرض سے سلطان پر بیجا حملے کر رہا ہے۔ مترجم)

ان دیواروں کے اندر جو ہزاروں سپاہیوں نے بنائی ہیں۔ کیا ہو رہا ہے؟

اس کا جواب دینا سخت مشکل ہے۔ جب یلدز محل سے سلطان کی سواری برآمد ہونے لگتی ہے۔ تو ایک بگل بجایا جاتا ہے۔ اور تمام سپاہی تین نعرے بلند کرتے ہیں بادشاہم چوق یشا۔ (ہمارا بادشاہ مدت تک زندہ رہے) اس کے بعد مختلف رجمنٹیں ایک دوسرے کے بعد سلطانی مارچ کا باجہ بجاتی ہیں۔ سلطان ایک ہلکی گاڑی میں جس کو چار گھوڑے کھینچتے ہیں۔ بیٹھکر آتا ہے۔ اس کے سامنے محل کا کوئی مارشل یا کبھی کبھی اوسکا اپنا سب سے چھوٹا بیٹا بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی گاڑی کے پیچھے پیچھے سینکڑوں محل کے افسر اور شاہی ایڈیکانگ ہوتے ہیں۔ وہ بہت بشاشت سے سپاہیوں کو سلام کرتا ہے۔ مگر اوسکی شکل پر خوف کے وہ آثار ہویدا ہوتے ہیں۔ جو اسکو باہر آنے سے محسوس ہوتا ہے پہلے تو لکھا تھا کہ بیماری کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ اب ڈر اور خوف کے آثار میں ہویدا ہونے لگے شاباش بیٹے۔ جب جھوٹ بولنا ہی ٹھہرا۔ تو پھر بات کا خیال ہی کیا۔ ہاں یہی تو لکھا تھا کہ سوائے فوجوں کی آمد و رفت کے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اب جو یہ گاڑی کا دیکھنا اور لطف یہ کہ اس میں بیٹھنے والوں کو بخوبی شناخت کر کے چہروں سے آثار بھی معلوم کر لینا۔ عجیب نرالی منطق ہے۔ مترجم) جب وہ فوجوں کی صفوں میں سے گذرتا ہے۔ ایک ہو کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی بے ضابطہ حرکت سرزد ہو جائے۔ یعنی کوئی سپاہی سلطان کو عرضی دینے کی جرأت کرے تو فوراً موقع پر جاسوس آموجود ہوتے ہیں۔ اور جھٹ پٹ ویسا ہی امن قائم کر دیا جاتا ہے۔ جب سلطان تین یا چار منٹ میں مسجد کے دروازہ پر پہونچ جاتا ہے۔ تو چھ بوڑھے جو ایک قدیم محل سے لائے جاتے ہیں۔ اونچے سُروں میں کہتے ہیں۔ "اے میرے بادشاہ مغرور نہ ہو جا۔ ایک ذات ایسی ہے کہ تجھ پر بھی غالب ہے۔ اور وہ ذات خدا کی ہے۔ آج کل قدیم دستوروں میں صرف یہی ایک باقی رہ گیا ہے۔ سلطان مسجد کی پرائیویٹ گیلری میں نماز پڑھتا ہے۔ اور کھڑکی سے فوجوں کی مارچ دیکھتا ہے۔ بیس منٹ کے بعد کم تزک و احتشام سے محل کی طرف واپس ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں مابین قلعہ بند محل میں بسلامتی پہنچ جانے سے وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اور پھر اگلے

نتیجہ تک جیسا اُسکو خلاف مرضی مجبوراً آنا پڑتا ہے۔ باہر نہیں نکلتا۔

دسواں باب

سُلطان کی پالیسی (حکمتِ عملی)

سُلطان کی شخصی طاقت۔ علاقوں کی عدم ضرورت۔ انٹرسٹ رکھنے والا یورپ۔ دیسی عیسائی۔ سلطان کی خود غرضانہ مطلب براری۔ ہر ایک شخص کی اپنی قیمت ہے۔ بخشش اور امتیازات۔ سلطان کی اعلےٰ لیاقت و قابلیت۔ اُسکا مرعوب خاطر لشکر

اِس قدر روپیہ خرچ کرنے اور تمام اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے سے سلطان کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں۔ کہ اپنے جور و ظلم کی خواہشوں کو دل کھول کر پورا کرے۔ اِس غرض کی تکمیل کے لئے وہ دھوکہ اور رشوت دیتا ہے۔ اور سازشیں اور دھڑابندیاں کرتا ہے۔ اور اسی غرض کی تحصیل کے لئے وہ جلاوطن کرتا ہے۔ زنداں میں ڈالتا ہے۔ نیز ایسے شخص کو مروا ڈالتا ہے۔ جو اسکی مطلق العنانی پر حرف گیر ہو۔ اُس نے اپنی ظالمانہ حکومت کی بدولت سلطنت کے بہترین صوبے کھوئے ہیں۔ اور جب تک اُس کے زیرِ نگیں ظلم کا نشانہ بننے کے لئے کافی ممالک رہیں گے وہ مزید صوبوں کے نکل جانے کی بھی چنداں پروا نہیں کریگا۔ اُس نے ملک میں شخصی آزادی کا خاتمہ کردیا۔ اُس کے مظالم کو جو دن بدن سال بسال زیادہ سخت ہوتے جاتے ہیں۔ روکنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ کیونکہ ٹرکی میں مختلف مذہب و ملت مختلف خیالات و جذبات کے لوگ آباد ہونے کے سبب سلطان کے برخلاف متفقہ و متحدہ کوششیں ناممکن ہیں۔ اور ساتھ ہی دول یورپ کئی ایک وجوہات کی بنا پر قسطنطنیہ میں ایسا انقلاب عظیم ہونا پسند نہ کرے گی۔ اُن میں سے بعض کا فائدہ تو اِس میں ہے کہ موجودہ سلطان ہی تخت پر متمکن رہے اور اُس کے برخلاف کوئی

کوشش کیجائے تو ممکن ہے کہ وہ اُسکی تدبیر پر تیار و آمادہ ہو جائیں۔ جو شخص اخبارات خاص کر وطن کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اُن پر اس شخص کی خلاف بیانی کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حیران ہونگے۔ کہ اس شخص نے خواہ نمکحرام ہی ہے اس قدر ہذیان کیوں بکتا ہے۔ مترجم اس ترکی کی تباہی و بربادی سے متعلق جس قدر سلطان روس کے منشا کو پورا کر رہا ہے۔ شاید کاسک بھی نہ کر سکیں۔

اب قدیم مسئلہ مشرق میں کئی ایک نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جو پولیٹیکل مشکلات کے وقت سلطان کے اغراض کو تقویت دیتی ہیں۔ یعنی یہ کہ چند سلطنتیں سلطان کی حکومت کو قائم رکھنے میں بڑا گہرا انٹرسٹ رکھتی ہیں۔ اور خواہ موجودہ مظالم سے ترکی رعایا کا کچومر ہی کیوں نہ نکل جائے۔ اُسکا نقصان سلطان کے خود غرض دوستوں کا فائدہ ہے۔ سلطان کیطرف بے شمار دوستانہ پیغامات تار میں ایک میں قیصر جرمنی نے خدا سے اُسکی درازیٔ عمر کی دعا مانگی۔ یقیناً اِس دعا سے اُسکا مطلب یہ تھا۔ کہ ترکی میں جرمن ٹھیکہ داروں اور قسمت آزماؤں کو وہ فوائد حاصل ہوتے رہیں۔ جو سلطان کی طفیل ان کو ہو رہے ہیں۔ اگر روز جزا کوئی چیز ہے۔ تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ اوسدن خدا قیصر سے ضرور جواب طلب کریگا۔ کہ اوس نے ترکی کی مصیبتوں کو بڑھانے میں عبدالحمید کا ہاتھ کیوں بٹایا۔ اُس کے تاروں اور قسطنطنیہ میں اُس کی آمدوں نے عبدالحمید کی ظالمانہ پالیسی کو بڑی تقویت دی ہے۔ ترکی کے ان لوگوں کے سامنے جو ناخواندہ ہیں۔ اور جن پر تعلیم کے دروازے بند ہیں اور جو سلطان کی پوزیشن کو سمجھنے میں عاری ہیں۔ اُن تاروں اور ملاقاتوں کا مطلب اسطرح بیان کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ قیصر سلطان کے آستانے پر کورنش بجا لاتا ہے۔ اور اُس کی عظمت و بزرگی کے مقابلہ میں اپنی عبودیت و خاکساری کا اقرار کرتا ہے۔ جب ایک بڑی یورپین قوم کا بادشاہ عبدالحمید کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ تو یہ لازمی ہے کہ اُس کی بھولی بھالی رعایا کے دلوں پر اُسکی زبردست طاقت کا سکہ جم جائے۔ اور وہ اس کے ظالمانہ حکم کے سامنے سر جھکا دے۔

کئی اور طاقتیں ہیں۔ جن پر سلطان کے مظالم کو نظرانداز کرنے کا الزام عائد ہوسکتا ہے۔ وقتاً فوقتاً انھوں نے اپنا پولیٹیکل اُلّو سیدھا کرنے کے واسطے ٹرکی کی عیسائی رعایا کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور کبھی ایک دیگر عذروں اور بہانوں سے سلطان پر دباؤ ڈالا ہے۔ کیونکہ وہ اُسکی خودغرضانہ مطلب براری سے واقف ہیں۔ یہ فقط ایک دفعہ ایک انگریزی اخبار نے یہ بتاتے ہوئے کہ سلطان دول کے دباؤ کس طرح برداشت کرتا ہے لکھا تھا۔ اِن شخصی معاملات میں اس کے دباؤ جبر سمجھے جاتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کی سلطنتیں اپنے پولیٹیکل ضابطے میں انکو روا اور جائز سمجھتی ہیں۔ متی لینڈ پر فرانس کا عارضی قبضہ کرنا۔ اٹلی کا طرابلس الغرب پر بحری نمائش کا دکھانا۔ بحیرہ قلزم کے ایک عثمانی شہر پر گولہ باری کا کرنا۔ البانیا میں بجبر اطالی ڈاک خانوں کا کھولنا۔ قانون بین الاقوامی کی عزت کرنے کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔ مگر جب عبدالحمید کی اپنی ذات محفوظ ہے۔ اور اُس کی مطلق العنانی قائم ہے۔ وہ ایسی ذلتوں کی پرواہ نہیں کرے گا۔ ایک خودوقار آدمی خودغرضی کو اس حد تک کبھی نہیں پہونچاتا۔

سلطان نے اپنی ذات کو ذمہ داری اور طعن و تشنیع سے بچانے کے کئی ڈھنگ اختیار کر رکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یورپ کی بہت سی اقوام کے ایجنٹوں کی تقرری ہے۔ جو اُس کے متعلق عمدہ باتیں لکھتے اور کہتے رہتے ہیں۔ بلاد شرقیہ کے دوسرے امیروں اور رئیسوں کو تحائف دینے کا مقصد یہی ہے۔ ورنہ ایسی خودغرض اور مطلب برار آدمی سے فیاضی کی توقع رکھنا ایک عبث خیال ہے۔

اس بات کو جتانے کے لئے کہ سلطان اس ڈھنگ کو کیسے وسیع پیمانہ پر اختیار کئے ہوئے ہے۔ میں اُس کے تحائف اور نذرانوں کا ذکر کرتا ہوں۔

تخت نشینی کے وقت سے لیکر تا ایندم سلطان عبدالحمید کو پختہ یقین رہا ہے کہ وہ پولیٹیکل حلقہ کے اُن ممبروں کو جن سے اُسے ہمیشہ سابقہ پڑتا ہے تحائف اور نذرانے دینے سے اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے۔

اُسکی رائے ہے۔ کہ ہر شخص کی اپنی اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ اگر زر کے زور سے نہیں تو اعزاز اور تحائف کے ذریعہ سے خریدا جا سکتا ہے۔ (یعنی گرویدہ بنا

جاسکتا ہے۔ مترجم۔) اپنے افیشل کو مطیع و فرمانبردار رکھنے کے لئے وہ اُن کو ایسی ذمہ داری کے عہدے دیدیتا ہے۔ کہ جن کے وہ مستحق نہیں ہوتے۔ وہ اُن روپیہ کی تھیلیاں مرحمت کرتا ہے۔ خطابوں اور امتیازوں سے سرفراز فرماتا ہے اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ سلطان ان جانوروں کو قابوں میں رکھ کے لئے کتنا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ ایک شخص کو یلدز محل کے محکمہ صرف خاص معائنہ کرنا چاہیئے۔ وہاں وہ حریص و طامع تاہم مطمئن اشخاص دیکھے گا کہ سفید وطل تھیلیوں میں روپیہ اشرفیاں اُٹھائے لیجا رہے ہیں۔

اگر پھر وہ قسطنطنیہ کے اخبارات پر نظر ڈالے تو اُسکو درجنوں نامعلوم اشخاص کے نام دکھائی دیں گے۔ جو نشانوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ترقیاں پاتے ہ یا نئی اسامیوں پر مقرر ہوتے ہیں۔ ایک فرانسیسی اخبار کے نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ نے ایکدفعہ اُن اشخاص کی تعداد لکھی تھی۔ جن کو تمغہ شفقت م ہوچکا ہے۔ بہت سی دیگر تمغوں کیطرح۔ یہ تمغہ بھی اس سلطان کی ایجاد ہے۔ او اور اجانب ذی رتبہ خاتونوں کو دیا جاتا ہے۔

اُس فرانسیسی نامہ نگار کے قول کے مطابق آجتک پچیس ہزار خاتونوں ک تمغہ نشان) مرحمت ہوچکا ہے۔

ٹرکی کے قدیم نشان مجیدیہ اور عثمانی اس قدر فیاضی سے تقسیم کئے ہیں کہ معمولی سرکاری ملازم کا سینہ بھی اُن سے مزین نظر آتا ہے

تمغات حاصل کئے ہوئے لوگوں کی وہ کثرت ہے کہ سلطانی محلوں کا کوئی اعلےٰ ادنےٰ ایسا ہوگا۔ کہ اُسکو ایک یا ایک سے زیادہ تمغے نہ ملے ہوں۔ لہذ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ محل کے حلقہ سے باہر کے خاندانی تعلیم یاف لوگ اس بات کا فخر کیا کرتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس کوئی تمغہ یا لق نہیں ہے۔ ”

نشانوں کا مرحمت کرنا اور ترقیوں کا دینا ہی سلطان کے نزدیک مح حاصل کرنے کا کافی ذریعہ ہے۔ اجانب کو اپنا گرویدہ کرنے کے لیے وہ ا ڈھنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ وہ براعظم یورپ کے ایڈیٹروں او

نگاروں کو انعامات۔ نشانات۔ امتیازات۔ یا ترکی میں کوئی تجارتی صنعتی رمائیت دیگر اپنے متعلق مفید مطلب مضامین لکھوانے پر راضی کرے۔ مگر وہ اخباران غیر ممالک اور مبصروں کو کس طرح رام کر سکتا ہے۔ جو معاملات مشرقی ن ابیش انٹرسٹ رکھتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ وہ کسی صداقت شعار صاف گریزی وزیر کو مرصع نشان یا ایک گراں قدر رقم انعام میں دیکر راضی کرے ن سے اپنے متعلق کلمات خیر کہلوائے؟ کبھی ممکن ہی نہیں۔ مگر سلطان اس ول پر۔ کہ انسان احسان سے غلام بنایا جا سکتا ہے، راسخ یقین رکھتا ہے۔ پس رہ روپیہ یا نشانات دیکر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تو یا داد کے قبول کرنے کی درخواست ی۔ اور ایسا حسن موضا انداز اختیار کرتا ہے۔ جو اُس کے ساتھ مخصوص ہے۔

سلطان کے تحائف قیمت و مقدار میں مختلف موقعوں پر مختلف ہوتے ہیں۔ نشان۔ سونے کے عطردان۔ سگریٹ کیس۔ (ڈبے) اور سگریٹ ہولڈر (ایک میں سگریٹ رکھکر پیتے ہیں) جواہرات سے مرصع اور زرنگار گھڑیاں۔ خوبصورت ی گھوڑے۔ مرصع الیتذلی تلواریں۔ خنجر۔ شاہی خزانہ کے پستول۔ جن کو ندان عثمان کے پہلے سلاطین بطور تبرک محفوظ رکھتے تھے۔ اور ایسی دیگر چیزیں میں بادشاہوں اور امیروں کو بطور تحفہ ارسال کیجاتی ہیں۔

منجملہ اُن اشخاص کے جو سلطان سے تحائف لیتے ہیں۔ قیصر جرمنی اوّل ہے۔ قسطنطنیہ کی دو ملاقاتوں کے دوران میں بے شمار اور بیش بہا یادداد لینے کے علاوہ قیصر وقتاً فوقتاً عمدہ عمدہ گھوڑے عرب۔ اور مشرقی صنعت حرفت کے نادر نمونے بطور تحفہ لیتا رہتا ہے۔ شہنشاہ روس بھی سلطان سے تحائف لیتا رہتا ہے۔ مگر بھیجتا بھی رہتا ہے۔ دس سال ہوئے سلطان نے باسفرس کے ساحل کا گرمائی محل شاہزادہ ماہی نگود کو عنایت کیا۔ اور ایک سٹیمر جو سینگ طلائی کے سلطانی بحری کارخانہ میں تیار کیا گیا تھا۔ ابھی ابھی اُسی شاہزادہ کو استعمال کے لئے بحرہ ادریاٹک کی طرف بھیجا گیا ہے۔ دس سال ہوئے سلطان کا خاص ایڈی کانگ ایک خوبصورت مرصع گلدان لارڈ سالسبری کے لئے انگلستان لایا تھا۔ اور اسکوتر کی سفیر متعینہ دربار لندن نے

وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

خدا جانے ان تحائف کا کچھ اثر بھی ہوا یا نہیں۔ مگر جو مقصد سلطان کے مد نظر تھا۔ اُس میں اُسکو پوری پوری کامیابی ہو گئی ہے۔ یعنی وہ ابھی تک تخت پر متمکن ہے۔ اور اُسکی حکومت مطلق العنان ہے۔ اگر سلطان کی اسی پالیسی پر غائر نظر ڈالی جائے۔ تو ماننا پڑے گا کہ وہ بڑی اعلےٰ لیاقت اور قابلیت کا بادشاہ ہے تاہم وہ اپنی ساری لیاقت بڑے کاموں ہی میں خرچ کرتا ہے۔ جتنا وہ لائق ہے اُتنا ہی اگر نیک نیت ہوتا تو آج اُسکی سلطنت نہایت زبردست۔ ظفرمند۔ اور دولت مند ہوتی۔ طعن و تشنیع اور آبرو ریزی کی پروا نہ کرنا۔ مشکل سے مشکل مسائل کو بآسانی تمام سُلجھا لینا۔ عیاری سے مطلب برآری کر لینا اُس کے بائیں ہاتھ کے کرتب ہیں۔ اپنے بہت سے متقدمین کے خلاف وہ زن مرید نہیں ہے اور نہ ہی عورتوں کی صحبت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اگرچہ اب تک اُس کے حرم میں بے شمار غلام اور لونڈیاں موجود ہیں۔ مگر وہ جاہل طبقہ کو جھوٹی شان و شوکت دکھانے کی غرض سے رکھے ہوئے ہیں۔ اُس کی عقل خداداد کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ اُس نے مسلمانوں کو یقین دلایا ہے کہ ترکی پر آئے دن جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ اوسکا ذمہ وار یورپ ہے۔ جو آئے دن معاملات سلطنت میں دخل اور در معقولات کر کے انتظام کو درہم برہم کرتا رہتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ یورپینوں کو یہ کہتا ہے۔ کہ جس قوم کے نام پر میں حکومت کر رہا ہوں وہ پارلیمنٹری حکومت کے فوائد سمجھنے سے معذور ہے۔ اور اپنے اس بیان کو ٹھیک اور سچا ثابت کرنے کو وہ ملک میں صنعتی۔ سائنٹیفک اور لٹریچر کی ترقی کے راستے میں روڑے اٹکاتا رہتا ہے۔

اگرچہ اُس نے اپنی شخصی حکومت کو برقرار رکھنے میں بیش از بیش ذہانت اور لیاقت کا ثبوت دیا ہے۔ مگر سلطان عبدالحمید کی تعلیم بہت ہی تھوڑی ہے۔ وہ لوگ جو اُسکو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ تخت نشینی سے پہلے وہ دیگر شہزادوں کی نسبت تعلیم و لیاقت میں بہت کمتر خیال کیا جاتا تھا۔ اس تعلیمی نقص کے باوجود چھبیس سال تک وہ ہر ایک قسم کی مخالفت۔ رقابت اور عداوت

پر غالب رہا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ وہ اتنا کام کرتا ہے۔ کہ ترکی میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ وہ بڑی بڑی رپورٹیں پڑھتا اور اپنے سیکرٹریوں سے سنتا ہے۔ مگر جو کچھ وہ پڑھتا ہے۔ وہ سب جاسوسوں اور ایجنٹوں کی رپورٹیں ہوتی ہیں جو ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں موصول ہوتی ہیں۔ اُسکا مرغوب خاطر لٹریچر یہ ہے کہ وہ بہت سی زبانوں سے ترجمہ کرا کے دُنیا کے مطلق العنان بادشاہوں اور ان کے دشمنوں کے حالات اور اُن کے کارنامے بہ آواز بلند سنتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ خفیہ سوسائٹیوں اور سازشوں کا شوقین ہو گیا ہے۔ وہ خفیہ تحقیقات اور انکشافات مقدمات سے متعلق کہانیوں کے سننے کا بھی بڑا شتاق ہے؛

گیارہواں باب

ینگ ٹرکش پارٹی

سُلطان کے دشمن۔ اُن سے اُسکا برتاؤ۔ یورپ کی انسانی ہمدردی۔ سُلطان کو قتل کرنے کی کوششیں۔ ینگ ٹرکش پارٹی میں انتظام کا نقص۔ انگلستان میں ریفارمروں کا پناہ لینا۔ سُلطان کا چند روزہ پارلیمنٹ کو موقوف کرنا۔ ترکی کی اصلاحی سکیم کی انگریزی خیال روسیوں کی مخالفت۔ نوجوان ترک کیا چاہتے ہیں۔ نوجوان ترکوں کا قتل۔ مقتولوں کی لمبی داستان۔ آخر سر نو بیداری کا امکان۔

اُن تمام وسائل کے باوجود جو سلطان نے اپنی شخصی حکومت کے قائم رکھنے کے لئے اختیار کئے ہیں۔ اُسکو وقتاً فوقتاً ترکی رعایا کے ایک فرقہ سے نپٹنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ترکی میں صرف اس فرقہ کے لوگ صورت معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ملک کے تنزل کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام عثمانی رعایا

میں سے ترک جن کے نام پر محل کی پارٹی ظالمانہ حکومت کر رہی ہے۔ سب سے زیادہ موجودہ انتظام کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس فرقہ کو یورپ والے ینگ ٹرکش پارٹی کے نام سے پکارتے ہیں۔ (یعنی نوجوان ترکوں کی جماعت مترجم) اس پارٹی کے ممبروں نے وقتاً فوقتاً عبدالحمید کو تخت سے اُتارنے کی کوششیں کی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے اور سلطان کے درمیان ہمیشہ کھٹ پٹ رہتی ہے۔

سُلطان جانتا ہے کہ غیر مُسلم رعایا کیطرح ترک کسی یورپین طاقت کے پولیٹکل اُلو سیدھا کرنے کے لئے اُس کے ڈھب پر کبھی نہ آئیں گے۔ لہذا اُنکو مظالم سے بچنے کے لئے بیرونی مدد کبھی نہیں ملے گی۔ اس لئے وہ اُن سے جسطرح چاہتا ہے سلوک کرتا ہے۔ اور وہ اُن ترکوں کو جو اُس کے مظالم کے روکنے کی کوشش کریں جس طرح بن پڑے کچل ڈالتا ہے۔ مگر وہ اُس کے ہاتھ سے بچکر ممالک غیر کو بھاگ جائیں۔ تو وہ اُن کو قابو کرنے کے لئے کوئی ایک قربانی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مدحت پاشا نے سمرنا کے فرانسیسی قونصل کی کوٹھی میں پناہ لی۔ تو اُس نے واپس لینے کے لئے اُسکو (سلطان نے) ٹیونس پر فرانس کی دست اندازیوں کو نظر انداز کر دیا۔ (یہ شخص سخت جھوٹا اور دروغ گو ہے۔ فرانس نے ٹیونس پر اُس زمانہ میں تسلط جمایا۔ جب انگریزوں نے مصر میں پاؤں جمایا۔ یہ ۱۸۸۱ء کی بات ہے۔ اور اُسوقت ترکی میں اتنی طاقت ہی کہاں تھی۔ کہ فرانس کو بزور شمشیر باز رکھتا۔ پاس ہی مصر تھا۔ اسکو بچانے کے لئے کچھ نہ ہو سکا۔ تو بھلا ٹیونس جیسے دور دراز ملک کیلئے کیا ہو سکتا تھا۔ مترجم)

کچھ عرصہ ہی کی بات ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک اطالی کونسل نے مرحوم محمود پاشا سلطان کے بہنوئی اور دشمن جان سے جو مونٹرن میں مقیم تھا۔ ملاقات کی اور کہا۔ کہ مہربانی کر کے اٹلی کیطرف نہ جانا۔ کیونکہ گورنمنٹ اطالیہ کے تعلقات سلطان سے دوستانہ ہیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب اٹلی البانیا اور طرابلس الغرب کے ساحلوں پر بحری نمائش کر رہی تھی۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے۔ کہ سلطان کے قائم مقام یورپین سلطنتوں کے

دفتر صیغہ خارجیہ میں آتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں۔ کہ اگر ترک پناہ گزین کو سلطان کے حوالہ کر دو۔ یا کم از کم اپنی سلطنت کی حدود سے نکال دو۔ تو ٹرکی میں فلاں فلاں مراعات دیجائیں گی۔"

ٹرکی رعایا پر ایسی نمایاں کامیابیاں حاصل کرنے کے باوجود سلطان کی جان بہت سے موقعوں پر اس پارٹی کی جدوجہد سے محض خطرہ میں پڑی ہے۔ ایک دفعہ تو سودی آفندی نے جس کا نام پہلے میں درج کر چکا ہوں جو جماعت علماء کا ایک روشن ضمیر اور دلیر ممبر تھا۔ اور ینگ ٹرکش تحریک کا ایک زبردست بانی تھا۔ سلطان پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ پینتیس برس ہوئے۔ سودی لندن میں مقیم تھا۔ اور یہاں اطمینان سے پولیٹکل رسالے چھاپ کر ٹرکی میں تقسیم کرتا تھا۔ مگر جب پہلا سلطان معزول ہوا وہ قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔ اور تعلیمی و اخباری کام میں مصروف ہو گیا۔

عبدالحمید کے تخت نشین ہوتے ہی۔ سودی نے ایک سو کے قریب جانباز پناہ گزین جمع کئے۔ یہ اُن صوبوں سے آئے تھے جو روس و روم کی جنگ کے بعد سلطنت عثمانیہ سے جدا ہو گئے تھے۔ اُن کو لیکر اُس نے سلطان کے محل پر حملہ کیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ سلطان مراد کو حراست سے نکالیں۔ محل کی فوج نے اون کا محاصرہ کر لیا۔ سخت ہنگامہ برپا ہوا۔ اور سودی اور اُس کے کئی ہمراہی ہلاک ہوئے۔ جس ناشائستہ سپاہی نے سودی کا سر تن سے جدا کیا تھا۔ اب وہ ایک زبردست حسن پاشا ہے۔ جو دارالخلافہ کے یلدز کوشک کے۔ نیبی سواروں کی پولیس کا افسر اعلیٰ ہے۔ یہ شخص بڑا مضبوط اور غضبناک ہے بہت سے آدمی جن پر ینگ ٹرکش پارٹی کی شمولیت کا الزام لگتا ہے۔ جلا وطنی سے پہلے اُس کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ اور کئی دردناک حکایتیں مشہور ہیں کہ وہ اُن کو سخت بیرحمی اور بیدردی سے مارتا ہے۔ اگرچہ حسن یہانتک ان پڑھ ہے کہ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتا۔ تاہم سلطان نے تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ اُسکو خیر خواہی و نمک حلالی کے صلہ میں فیلڈ مارشل بنا دیا ہے۔

سلطان کو تخت سے اُتارنے کی دوسری کوشش بیس سال ہوئے ایک

سرکیشین رجمنٹ سواروں نے جو یلدز کوشک کے نزدیک مقیم تھی۔ کی تھی۔ اس رجمنٹ کے سپاہی بظاہر محل کی مستورات سے شناسائی رکھتے تھے۔ انہوں نے عبدالحمید کے برخلاف سازش کا جال پھیلایا۔ اخیر وقت میں وہ بھی اپنی کوشش میں ناکام ہوئے۔ اور وہ رجمنٹ ایسے پراسرار طریقوں سے ہلاک کی گئی کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا ارمنوں کی شورش کے زمانے میں سب سے پہلی کوشش جو کی گئی۔ وہ بڑی سخت تھی۔ اسوقت سلطان کے کمرہ کے دروازہ پر دو ڈاکٹروں کا پہرہ تھا۔ یہ گروہ اس مذہبی فرقہ میں سے تھے جس کے افراد مذہب کے رو سے اپنے شیخوں اور سرداروں پر جان قربان کرنے پر مجبور ہیں۔ اس فرقہ کا شیخ ریفارم پارٹی (اصلاح چاہنے والی جماعت) کے ممبروں کے ڈھب پر آگیا۔ اور اس نے اپنے ان دو گرو مریدوں کو اس شخص کے اصلی حالات بتلائے۔ جو اس وقت تخت خلافت پر قابض ہے۔ ان دونوں نے سوگند اٹھائی۔ کہ وہ سلطان کا کام تمام کر دینگے مگر عبدالحمید کا بخت یاور تھا۔ اس سازش میں بھی وقت پر ناکامی رہی۔

اس روبہ ترقی عنصر کا جس نے نہایت سختی سے عبدالحمید کی مخالفت کر رکھی ہے۔ انگلستان میں بہت کچھ چرچا ہے۔ مگر اصل حالات بہت کم معلوم ہیں۔ لہذا میں اس کی تاریخ۔ مقاصد و اغراض اور اس کی موجودہ حالت پر بحث کرتا ہوں۔

اس عنصر کا عام مروجہ نام ینگ ٹرکش پارٹی ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور میں خود اصلاح کے ان حامیوں سے متعلق اس کا نام استعمال نہ کروں گا۔ بلکہ میں ایسی کوئی باضابطہ جماعت نہیں کہ پارٹی کہلا سکے۔ اگرچہ اصلاح کے حامیوں نے مختلف موقعوں پر مختلف سوسائیاں بنائی ہیں۔ جن کے اغراض و مقاصد یکساں رہے ہیں۔ یعنی سلطان کی مطلق العنانی کو روکنا۔ اور ملک میں پارلیمنٹری حکومت کا قائم اور ضروری اصلاحات کا نافذ کرنا۔ ٹرکی کا انقلاب پسند عنصر فرانسیسی انقلاب کا دیکھا دیکھی قائم نہیں ہوا۔ بلکہ اس کا آغاز پہلے پہل آزادی کے بارہ میں انگریزی خیالات کی اشاعت۔ اور حکومت کرنے کی انگریزی سسٹم کی معلومات سے ہوا ہے۔ شاید یہ امر بہت کم اشخاص کو معلوم

ہوگا۔ کہ پہلا عثمانی ریفارمر لندن کی طرف پہلی عثمانی ڈپلومیٹک مشن کا ایک ممبر تھا۔ چند سو سال ہوئے ہیں۔ کہ آغا آفندی پہلے پہل دربار لندن میں ترکی سفیر مقرر ہو کر متعین ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان ریفارمر محمود آفندی پرائیویٹ سکریٹری ہو کر آیا تھا۔ یہ نوجوان سکریٹری انگلستان میں کئی سالوں تک مقیم رہا۔ اور سائنٹفک مضامین خاص کر جغرافیہ کے مطالعہ میں ہمہ تن مشغول رہا۔ بعد ازاں اس نے انگریزی اٹلس کا ترجمہ کر کے ترکی زبان میں پہلے اٹلس شائع کیا۔ جب محمود آفندی اس ملک میں تھا۔ وہ یہاں کی طرز حکومت اور ایڈمنسٹریشن سے متعلق بالعالی میں رپورٹیں ارسال کیا کرتا تھا۔ جب سلطان محمود ثانی تخت خلافت پر رونق افروز ہوا۔ تو یہ نوجوان ڈپلومیٹ اصلاح انتظام میں مدد دینے کے لئے قسطنطنیہ بلایا گیا۔ مگر جنیسری فوج کی تباہی سے پہلے ایک مذہبی جاہلیت کا طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ جس میں ترکی کا یہ پہلا ہونہار مدبر وسیع خیالی کے جرم میں تلوار کی گھاٹ اتارا گیا۔ تاہم اصلاح کے جو بیج اس نے بوئے تھے۔ وہ بالکل ہی ضائع نہ ہوئے۔ اور اس بات کا کریڈٹ متاخر ترکی مدبروں کو حاصل ہے۔ کہ انہوں نے حکومت میں اصلاح کرنے کے متعلق اسکی تقلید کی۔ اور مشہور آفاق خط شریف یا دولت عثمانیہ کا پہلا ریفارم چارٹر مرتب ہو گیا اور دوست طاقتوں کی مدد سے اسکا اعلان کیا گیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے۔ سلطنت عثمانیہ کو ناقابل تغیر مشرق کا ایک حصہ سمجھنا درست نہیں۔ گذشتہ صدی میں ترکی میں کئی ایک انقلاب ہو چکے ہیں۔ گو وہ انقلاب ہمیشہ بہتری کے لئے نہیں ہوئے۔ سلطان عبدالعزیز نے تخت پر متمکن ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد سلطنت کے نئے انتظام کو ہٹانے اور مطلق العنانی سے حکومت کرنے کی کوشش کی۔

پارلیمنٹری اصول اختیار کرنے کی بجائے جنہوں نے سلطنت میں جان ڈالی تھی۔ اس نے اسی مطلق العنانی کا ڈھنگ اختیار کیا۔ اور یہ بنی ہوئی قومی آزادی کو ملیامیٹ کرنے کے لئے ایک جہل پارٹی بنائی۔ اس وقت کے نوجوان ریفارمروں نے سلطان اور اس کے مشیروں کے اس خود غرضانہ رویہ پر نہایت سختی سے

نکتہ چینی کی۔

مگر چونکہ ملک اُن نوجوانوں کی مدد کے لئے کافی تعلیم یافتہ نہ تھا۔ ان کے معروضات کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ گورنمنٹ نے ان کو سخت سزا دی (یہ عقل کا اندھا انگلستان کیطرح ٹرکی میں پارلیمنٹ بنانے کے خبط میں مبتلا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ انگلستان میں ایک مذہب ایک قوم ہے۔ اور پھر زمانہ سے باخبر۔ قومی مسرت میں سرشار۔ تعلیم سے بہرہ ور۔ اپنی ضروریات سے آگاہ۔ ٹرکی میں مختلف مذہب و ملت کی آبادی ہے۔ اُن میں اکثریت ترکی کے ہیں۔ زمانہ سے بے خبر۔ اپنی ضروریات سے بے پروا۔ بھلا پارلیمنٹ بنے تو کیونکر۔ صرف چند شوریدہ سر نوجوانوں کو خوش کرنے کے لئے پارلیمنٹ بنا کر سلطنت کو تباہی میں ڈالنا کہاں کی دانائی ہے۔ سلطان عبدالحمید نے پارلیمنٹ بنائی تھی۔ اُس نے کیا فائدہ دیا۔ یہی نہ۔ کہ یورپ کے بہترین صوبے ہاتھ سے کھو دئے۔ اور سلطنت کو تباہ و برباد کرنے کی ٹھان لی۔ عبدالمجید کے عہد میں تو کنسٹی ٹیوشن تھی۔ اُس نے کیا خاک بنایا۔ بلکہ سلطنت کو اُلٹا مقروض بنا دیا۔ اسی کے عہد کے کانٹے بوئے ہیں۔ کہ عبدالحمید کی متواتر اور پے در پے جدو جہد و کشش و کوشش کے باوجود سلطنت ابھی اپنی اصلی حالت پر نہیں آئی۔ ہمارے خیال میں تو نوجوان ترک بھی ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ مگر خود غرضی ان کو کچھ نہیں کرنے دیتی۔ وہ دشمنان سلطنت سے رشوت لیکر غداری پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ اور سلطنت کی ترقی میں روڑا اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج تک جتنے ترک غداری اور نمک حرامی کے میدان میں اُترے ہیں۔ وہ ہیں۔ جو ذاتی نالائقی کے سبب اعلیٰ عہدے تو حاصل کر نہیں سکتے تھے۔ مگر حاصل کرنے کی خواہش کرتے تھے بھلا عبدالحمید ایسے باخبر اور روشن ضمیر سلطان کے عہد میں ایسے نالائق ذمہ داری کے عہدہ پر کسطرح مقرر ہوں۔ اور کوئی بس نہ چلا تو یورپین ممالک میں بھاگ گئے غیروں کی خیرات کے ٹکڑوں پر گذارہ کیا۔ اور سلطان کی ذات اقدس پر اخباروں رسالوں۔ کتابوں میں بزدلانہ اور بے بنیاد حملے کرتے رہے۔

اگر عبدالحمید ایسا ہی ظالم ہوتا۔ اور رعایا اس قدر تنگ ہوتی۔ تو یہ ترقی کس طرح ہو سکتی تھی۔ یہ فرزانہ روزگار سلطان اپنی سلطنت اور قوم کی حالت بخوبی

جانتا ہے۔ اور اُسی طرح کام کر رہا ہے جس طرح موجودہ حالت میں کرنا مناسب ہے اگر آج اُسے معلوم ہو جائے کہ پارلیمنٹ بنانے سے قوم کی حالت بہتر ہو جائے گی تو واقعات بتا رہے ہیں۔ وہ کبھی انکار نہ کرے۔ نہیں۔ بلکہ اگر اسکو کہا جائے کہ تمہارے تخت و تاج سے دست بردار ہونے اور فلاں شاہزادہ کے تخت پر متمکن ہونے سے صورت حال بہتر ہو جائے گی۔ تو وہ استعفا دینے میں کبھی تامل نہ کرے۔ یہ یورپین اخبارات جو آئے دن اُسکے برخلاف شور مچاتے ہیں۔ اُسکی وجہ ہی کیا ہے۔ صرف یہ کہ عبدالحمید کی تدبیر و دانائی اور فراست سے سلطنت دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اور ان کو یہ خیال تھا۔ کہ اب یہ سلطنت یاسمل کا نوالہ بنے گی۔ غلط ثابت ہوا ہے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتے۔ صلواتیں دے دے کر دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آجکل کوئی یورپین سلطنت اکیلی روم کے منہ آنے کی جرأت نہیں کرتی۔ اور سب ملکر اُسپر دباؤ ڈالتے ہیں۔ اسکی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ وہ جانتی ہیں۔ ٹرکی بڑی طاقتور اور زبردست ہو گئی ہے۔ اگر کوئی اکیلی قابو آ گئی۔ تو بس کچومر ہی نکل جائے گا۔ غرضیکہ عبدالحمید جس ڈھنگ سے حکومت کر رہا ہے۔ ٹرکی کی موجودہ حالت اُسکی مقتضی ہے۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا۔ کہ ایک دفعہ لاہور کے سول ملٹری گزٹ اخبار نے نہایت جلتے ہوئے یہ گستاخانہ فقرہ لکھا تھا کہ ”جب تک موجودہ شیر سلطان زندہ ہے۔ اُسکی شیرانہ پالیسی برابر کام کرتی رہے گی۔ اور یورپ اُس کی سلطنت کے حصے بخرے نہیں کر سکے گی

(مترجم)

بعض لیڈروں کو سلطنت کے مختلف ضلعوں میں قید کیا گیا۔ مگر بعض یورپ کیطرف بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان مفرورین میں سے چند لندن میں مقیم ہو گئے۔ تیس سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا ہے جب نوجوان ترکوں نے جیسا کہ اُن کو اسوقت بلایا جاتا تھا۔ اصلاح کی تحریک نہایت زور شور سے شروع کی۔ ریفارمر انگلستان میں اخبار۔ اور رسالے چھاپ کر ایسے ذرائع سے جو سلطان عبدالعزیز کے افسروں کو معلوم نہیں تھے۔ ٹرکی کیطرف بغرض اشاعت روانہ کرتے تھے۔ چونکہ آدمی لائق اور قابل تھے۔ اپنی تحریروں سے اُنہوں نے ملک میں تعلیم اور بیداری کی

روح پھونک دی۔ اِن کے جوش اور تحریک کا اثر محل کی پارٹی اور باب عالی کے قدیم خیال خائن افسر محسوس کرنے لگے۔ موجودہ سلطان کے نامبارک عہد حکومت کے آغاز پر رعایا کے تعلیم یافتہ طبقہ اور فوج میں ریفارمروں کے اِس قدر ہم خیال تھے۔ کہ عبدالحمید کو مدحت پاشا چیف ریفارمر۔ (انہیں چیف ٹریٹر۔ مترجم۔) کے ساتھ مجبوراً وعدہ کرنا پڑا۔ کہ رسم تاجپوشی کے بعد وہ باضابطہ گورنمنٹ کی بنا ڈالے گا۔ اور دار العوام کی منظوری دے گا۔ اُس نے جیسا کہا۔ ویسا کیا۔ وہ اِس تاک میں لگا رہا کہ موقع ملے تو ان ریفارمروں کو ملیامیٹ کرکے مطلق العنانی حکومت کا رنگ جمائے۔ ۱۸۷۷ء کی جنگ نے اُسے موقع دیدیا ترکی رعایا جنگ کی لازمی مصیبتوں میں مبتلا تھی۔ اور وہ یلدز کوشک کے برے ارادوں سے باخبر نہ تھے۔ کہ مغربی یورپ کی دوست سلطنتوں کے آگے دوہائی دیتے۔ کہ سلطنت کی بہتری و سلامتی اسی میں ہے کہ پارلیمنٹری حکومت قایم ہو۔ (اجی ہاں۔ مغربی یورپ کی سلطنتیں واقعی سلطنت عثمانیہ کی دوست اور خیرخواہ تھیں۔ کہ اوسکی تباہی کے درپے تھیں۔ اور اب بھی ہیں۔ اور کیا یہ تھوڑی خیرخواہی و دوستی ہے۔ کہ منچلے پھرتے ہیں لاکر اسباب کی کوشش کر رہی ہیں کہ تو دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر غلامی کا لعنتی طوق اُن کے گلوں میں ڈلوا دیں مترجم۔) لہٰذا چند روزہ عثمانی پارلیمنٹ جس کو عبدالحمید نے بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔ ینگ ٹرکش پارٹی کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ جن کی غرض بقول مسٹر گلیڈسٹون "باضابطہ پارلیمنٹری حکومت" سے ملک کو ترقی دینے کی تھی۔ اور جیسا کہ دولت عثمانیہ کے بدترین دشمن کہتے تھے۔ مغربی یورپ کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لئے "یا سلطان کی عیارانہ چال نہ تھی۔ تاہم مسٹر گلیڈسٹون اور اُس کے چیلے چانٹے ٹرکی میں ایسی گورنمنٹ کے قایم کرنے کی کوشش سے دلی ہمدردی نہ رکھتے تھے۔

مرحوم ڈیوک آف ارگائل نے اپنی ایک کتاب متعلقہ معاملات مشرق میں لکھا ہے کہ "ہم انگلستان میں اُن کی پارلیمنٹ پر قہقہہ لگاتے تھے" اور اصل بات تو یہ ہے۔ انگلستان کے پولیٹیشن، سلطنت ٹرکی کیطرف عیسائی رعایا کے لئے

اصلاحیں چاہتے ہیں۔ ولبس۔ (انہیں حضرت صرف عیسائی رعایا کیلئے اصلاحیں ہی نہیں چاہتے۔ بلکہ آپکو بھی بے ڈکار ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ مترجم)

اسطرح روس وروم کی جنگ کے بعد ملک ریفارم پارٹی کی مادی مدد کرنے کے قابل نہ رہا۔ اور سلطنت عثمانیہ کے انگریز ہواخواہوں نے بھی اسکی کوئی مدد نہ کی (اجی واہ۔ انگریز ہواخواہوں نے یہ تھوڑی سی مدد کی تھی۔ کہ قبرص دبا لیا۔ مصر پر فوجی قبضہ کر لیا۔ عہدنامہ برلن کے وقت بہت سے صوبے یورپینوں کو دلوا دیئے۔ مترجم)

یلدز کوشک کی پارٹی نے اس موقع سے برمحل فائدہ اٹھایا۔ پارلیمنٹ کو ٹھوکر لگائی۔ اور زبردست و متدین ریفارمروں سے اس طرح خلاصی پائی کہ بعض کو گورنر کر کے بھیجدیا۔ اور بعض کو جلاوطنوں کیطرح دور دراز صوبوں میں روانہ کر دیا۔ اور وہ ظالمانہ حکومت قائم کی کہ توبہ بھلی۔

اس موجودہ طرز حکومت سے سلطنت ترکی کو ناقابل تلافی نقصان پہونچے ہیں (کیا یہ نقصان تھوڑے سے ہیں کہ خزانہ کی حالت درست ہوگئی۔ فوج مضبوط اور قواعدداں اور تعداد بھی بہ نسبت سابق دگنی ہوگئی۔ تجارت چمکی۔ تعلیم پھیلی۔ صنعت و حرفت کا چرچا ہوا۔ غیروں کی دست اندازیوں سے نجات ملی۔ مترجم)

اپنے برخلاف زبردست جتھے کے قیام کو روکنے۔ صنعتی ولولہ کو بجھانے اور لوگوں کو مشترکہ کام کرنے سے باز رکھنے کے لئے عبدالحمید نے مختلف قوموں میں مذہبی و قومی عناد کی آگ جو مدت سے بجھ چکی تھی۔ پھر بھڑکا دی۔ ساتھہ ہی ان کو خفیف خفیف جذبات پر پرائیویٹ جائدادیں خاص کر ریفارمروں کی ضبط کرنے کی دھمکی دی۔ ریفارمروں کو قتل اور برباد کرنے کے باوجود سلطان اصلاح کی تحریک کو کلی طور پر بالکل دبا نہیں سکے۔ اُس نے تعلیم کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش بعد از وقت کی۔ لوگوں کو مغربی یورپ کے خیالات سے ہوش آچکے تھے۔ وہ شخص آزادی اور گورنمنٹ کے فرائض سے واقف ہو چکے تھے۔ لہذا اُس کی اس کوشش نے عالی دماغ لوگوں کو اور بھی زیادہ ناراض و بیزار کیا۔ ان عالی دماغوں کا ایک نمونہ تو

آپ خود ہیں - کہ نہ سر کی خبر ہے نہ پا کی - مترجم)

شورش آرمینیا کے شروع شروع میں ریفارم ایجی ٹیشن (اصلاح کے لئے جوش وخروش کا اظہار کرنے) کا بہت زور ہو گیا تھا۔ ریفارمروں نے سلطان عبدالحمید کی بدعملی کا خاتمہ کرنے کی سخت جدوجہد کی۔ ان کو بہادر قوم کی حکومت کے لئے بہادر سلطان درکار تھا۔ وہ ایک ایماندار اور بہترین بادشاہ چاہتے تھے۔ نہ کہ ایک سازش اور دھڑہ بندی کار خود ہوشیار۔ اور ویسے دیوانہ۔ اور جو چھبیس سالوں سے اپنے محفوظ اور مستحکم محل کے اندر ہی پڑا سڑ رہا ہے۔ وہ ایک لائق خلیفہ چاہتے تھے۔ جو اسلامی دنیا پر ظاہر کردے - کہ ٹرکی کی اسلامی سلطنت کا طرز و قاعدہ مہذب یورپ کی نظروں میں بیش از بیش قائم ہے۔ وہ ایک ذمہ دار وزارت کے طالب تھے۔ نہ کہ جانبازوں کے ایک منچلے گروہ کے جس نے اپنی بدنظمی اور بدعملی سے ترک قوم کو دنیا کی نظروں میں حقیر بنا دیا ہے۔ اس تحریک کو بند کرنے کے لئے پچیس ہزار نوجوان ترکوں کا قتل کرنا کافی ثابت نہیں ہوا لہٰذا سلطان نے اس کے متعلق دیگر وسائل اختیار کئے۔ اس کے بہت سے جاسوس یورپ کی طرف بھاگ گئے۔ گویا کہ وہ نوجوان ترک تھے۔ اور مختلف ینگ ٹرکش کمیٹیوں میں شامل ہوئے۔ وہ جو کچھ دیکھتے یا سنتے۔ اسکی خفیہ رپورٹ سلطان کو بھیج دیتے۔ اور ممبروں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے بہت سے پناہ گزینوں کا گذارہ ان وسائل پر تھا۔ جو ٹرکی میں تھے۔ سلطان نے وہ وسائل بند کرکے اُن کو فاقہ مستی کی مصیبت میں ڈالا۔ اور لطف یہ کہ اسوقت اس کے جاسوس روپیہ کی بڑی بڑی تھیلیاں لیکر اُن کے پاس آتے۔ عہدے دینے کا وعدہ کرتے۔ اور اُن پناہ گزینوں کو ٹرکی واپس چلنے کی بڑی مبالغہ سے ترغیب دیتے۔ اُن میں سے چند نے سلطان کی مالی مدد کو منظور کر لیا۔ اور اسطرح وہ ترکوں کی ہمدردی سے محروم ہو گئے بعض تلاشی روزگار عہدوں کے خواہاں۔ اور مراعات کے طالب جن میں سے چند ہرگز ترک نہ تھے۔ ٹرکی ریفارمر ہونے کا بہانہ کرکے بھاگ گئے۔ اور لندن اور دیگر مقاموں میں باغیانہ اخبارات نکالے۔ کہ سلطان سے جائز فائدہ اُٹھائیں۔ اور

اسطرح ان لوگوں نے نوجوان ترکوں کے نام پر دھبہ لگایا۔

اس طرح ینگ ٹرکش تحریک اولٹی حالت میں پڑ گئی۔ مگر بالکل سرد ہی نہیں پڑ گئی۔ وہ پھر چمک سکتی ہے۔ اور یلدز کے قوی ہیکلوں پر حملے جاری رکھ سکتی ہے۔ مگر یہ حملے صلح آمیز پیرایہ میں ہوں گے۔ کیونکہ اگر ترک عبدالحمید کے برخلاف تلوار اٹھائیں۔ تو یورپ والے بھی کہیں گے کہ عیسائیوں کے قتل کا سامان کرنے لگے ہیں۔ مزید برآں ایسا انقلاب سخت خونریز ہوگا۔ کیونکہ یلدز کوشک کی فوج محافظ کے سپاہی مختلف اقوام کے اور ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ علاوہ اس کے جب سلطان اپنی جان کو خطرہ میں دیکھیگا۔ تو وہ دارالخلافہ کو ترکی کے قدیم اور تاریخی دشمن کے حوالے کر دیگا۔ اور یہ بات اس نے چند دفعہ کنایتاً کہی بھی ہے۔

بارہواں باب

انگلستان اور خلافت

عبدالحمید کا بحیثیت خلیفہ اپنے اختیارات کا استعمال کرنا۔ مسلمانوں کا اسکی بابت خیال۔ انگریزی مسلمان رعایا خلافت کے متعلق عثمانیوں کے مضبوط دعاوی اُن کی مخالفت کرنے میں انگریز مدبروں کی غلط پالیسی۔ اسلامی دُنیا کو بدظن کرنے کے خطرات۔ انگریز مخبروں کی غلط بیانیاں۔

قوموں کی تاریخ میں یلدز کوشک کے مالک سے بڑھ کر شاید ہی کوئی خوش قسمت ظالم نکلے گا۔ ان حالات کے علاوہ جن پر میں نے روشنی ڈالی ہے۔ عبدالحمید کو خلافت کے اختیارات سے بیش از بیش تقویت مل رہی ہے۔ اور ان اختیارات کو وہ جب چاہتا ہے۔ اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے برت سکتا ہے۔ مسلمانان روم کی خلیفہ سے محبت اور دیگر اسلامی ممالک کے سنی مسلمانوں کی آپ سے عقیدت بہت ہی زیادہ ہے۔ اور دن بدن زیادہ ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی

محبت خلافت سے ہے۔ عبدالحمید کی ذات سے نہیں (بالکل جھوٹ عبدالحمید کی تخت نشینی سے پہلے خلافت کا چرچا ہی نہ تھا۔ اور اسلامی دنیا پر تاریکی کا پردہ چھایا ہوا تھا۔ اس فرزانہ روزگار سلطان نے خلافت کو پھر چمکایا۔ اور مسلمانوں کو خلیفہ وقت کی جاں نثاری کے فوائد بتلائے مسلمانوں کی محبت خلافت سے ہے۔ کیونکہ عبدالحمید خلیفہ ہے۔ اور مسلمانوں کی محبت عبدالحمید کی ذات سے ہے۔ کیونکہ وہ خلیفہ ہے۔ مترجم)

اور خلیفہ کی شرائط بموجب ایک خلیفہ کو انسانیت کا کامل و مکمل نمونہ ہونا چاہیئے۔ اگر خلیفہ مذہب اسلام کی مقررہ شرائط پوری نہ کر سکے۔ تو ایمانداروں کو حکم ہے کہ اسکو معزول کر دو۔ اور ہمہ صفت موصوف شخص کو خلیفہ منتخب کرو۔ موجودہ مسلمانوں کے لئے یہ بات سمجھنی قریباً ناممکن ہے کہ موجودہ سلطان ادنیٰ اوصاف سے جو خلیفہ کے لئے ضروری ہیں۔ وہ بالکل معرا ہے۔ اور وہ کسی طرح بھی خلافت کے لائق نہیں۔ (جب خلیفہ کو انتخاب اور پسند کرنے کا حق مسلمانوں کو ہے۔ اور مسلمان عبدالحمید کو خلیفہ مانتے ہیں۔ تو آپ کون ہیں۔ کہ خواہ مخواہ ٹانگ اڑا رہے ہیں۔ مترجم) سلطان نے نہایت استادی سے مسلمانوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ ایک سچا خلیفہ ہے۔ اور اسلام کا بڑا حامی ہے۔ اور اسلامی دنیا کے اغراض و مقاصد کی حفاظت نہایت دلیرانہ طور پر کرتا ہے۔ اس غرض سے وہ بے شمار روپیہ خرچ کرتا ہے۔ (تم خود مانتے ہو کہ سلطان نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ سچا خلیفہ ہے۔ کیا سارے مسلمان ملکر اپنے مذہب سے اتنے واقف نہیں۔ جتنے کہ تم اکیلے ہو۔ مسلمانوں کا ماننا اور سلطان کا منوا لینا ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ سلطان ایسا خلیفہ ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ مترجم)

تاہم امر واقعی یوں ہے کہ وہ اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ اور کسی مسلمان بادشاہ نے اپنی غلط کاریوں سے مذہب کو ایسا ذلیل و رسوا نہیں کیا جتنا اس نے کیا ہے۔ (اجی آپ جیسے شیطان مجسم کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت و رسوائی ہو سکتی ہے کہ اس نے اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لیا۔ اس نے

سچے دل سے کوشش کی بفضل خدا اس کے شامل حال ہو گیا۔ اور مذہب کا بیڑا پار ہو گیا۔ اگرچہ اس سچے مذہب کا حامی و مددگار خود خدا ہے کہ اس نے اسکی تائید کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر جس ظاہر سبب سے خدا نے اپنے سچے دین کی حمایت کی وہ عبدالحمید کی کوشش و تندہی ہے۔ مترجم)

جس شخص نے اس کے زندگی کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے کام بالکل اسلامی شعار کے برعکس ہیں۔ مگر اس بات کا مسلمانان عالم کو یقین دلانا ناممکن ہے۔ وہ مسلمان جو ترکی میں ہیں۔ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کہ موجودہ سلطان اصل میں کیا ہے۔ مگر جو مسلمان ترکی سے باہر ہیں۔ وہ اسکی محبت اور عقیدت میں از بس سرشار ہیں۔

ایک انگریز جسکو مشرق کا بڑا تجربہ حاصل ہے اور جو پرنس آف ویلز کیساتھ نو آبادیوں کے دورہ پر گیا تھا۔ اس نے ایک دفعہ مجھ سے کہا “جتنا تم ترکی سے دور ہٹتے جاؤ۔ اتنا ہی پیروان اسلام میں سلطان کا اقتدار زیادہ پاتے جاؤ گے۔ ”

اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے سلطان اپنے خلافت کے اختیارات کو کس طرح برتتا ہے۔ اسکی بحث کے ضمن میں خلافت اور اسلامی دنیا پر خلیفہ کے اقتدار پر بحث کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا۔ یہ باور کیا جانا چاہیئے کہ برطانیہ اعظم کے زیر نگیں بہت سے مسلمان ہیں۔ بعض معتبر اشخاص کہتے ہیں۔ کہ انگلستان کی مسلمان رعایا ترکی کی مسلمان رعایا سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ برطانیہ اعظم کی مشرقی سلطنت کے مسلمان کسی دن مشرق سے متعلق انگریزی پالیسی پر بڑا سرگرم حصہ لے گی۔ آجکل سلطان ترکی اور ان انگریز حکام میں جو اسلامی دنیا پر اپنے ملک کا اقتدار اور رعب دائم رکھنا چاہتے ہیں۔ رقابت کے آثار ہویدا ہیں یہ اس رقابت کی ہی وجہ ہے۔ کہ بعض انگریز اہل قلم اور پولیٹیشن سلطان کے مذہبی اقتدار کو اصل سے کم جتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض تو ایسے بڑھ نکلے ہیں۔ کہ سرے سے عثمانی خلافت سے ہی انکار کر جاتے ہیں۔ اس بات میں کوئی کلام ہی نہیں کہ موجودہ سلطان خلیفہ ہونے کے قابل نہیں۔ مگر تخت عثمانیہ

کے قائلین کے دعاوی خلافت اُن کے کیرکٹر سے بالکل الگ ہیں۔ اور یہ دعاوی ہر طرح سے مسلم الثبوت ہیں۔ چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔

وہ شخص جو ان دعاوی کے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یا سُنّی مسلمانوں پر سلطان کے مذہبی اقتدار کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ آئے دن ٹرکی پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ شورش آرمینا کے وقت تھی۔ اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انگریزی مسلمان رعایا اور ٹرکی میں پھوٹ ڈال دیں اور میرا خیال ہے کہ اُن کی اس پالیسی کا بالکل اُلٹا اثر پڑتا ہے۔ برطانیہ اعظم کی مسلمان رعایا میں انگریزی زبان کی اشاعت عام طور پر ہو رہی ہے۔ لیکن جب وہ اُن بہت سے مخالفانہ خیالات کو پڑھتے یا سُنتے ہیں۔ جو انگلستان میں عثمانی خلافت کے برخلاف یا تقریروں میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ یا تحریروں میں۔ تو وہ انگریزوں سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور سخت برافروختہ ہوتے ہیں۔ جتنی اس ملک میں مخالفت کیجاتی ہے۔ اُتنی ہی مسلمانوں کی محبت عثمانی خلافت سے بڑھتی جاتی ہے۔

ان کے خیالات میں جو تغیر واقع ہو رہا ہے۔ وہ آج کل پوشیدہ ہے اور مشرق کے کسی حصّہ کی پیچیدگیوں اور اُلجھنوں میں انگلستان کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔ بہت سی یورپین طاقتیں اُس سے فائدہ اُٹھا سکتی اور انگریزی گورنمنٹ کے اغراض و مقاصد کے برخلاف اُس سے کام لے سکتی ہیں۔ قیصر جرمنی نے دمشق میں جو تقریر کی تھی۔ وہ بہت سے آدمیوں کو ابھی تک یاد ہوگی۔ اُس نے کہا تھا وہ دُنیا کی جدوجہد میں تیس کروڑ مسلمانوں کے خلیفہ کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوگا۔ اسکی غرض صرف یہی تھی۔ کہ مشرق میں اس کے ملک کا اقتدار بڑھے۔ ایک دفعہ ایک روسی نے مجھے کہا۔ کہ کوئین وکٹوریہ کے عہد میں برطانیہ اعظم نے چھوٹے بڑے پچاس جنگ کئے۔ اور قریباً سارے کے سارے ایشیا اور افریقہ کے مختلف حصص میں مسلمانوں کی آبادی ملیامیٹ کرنے اور اُنکی مملکتیں چھیننے کے لئے۔ قیاس غالب ہو کہ اُس نے دیگر مسلمانوں اور میرے ہموطنوں سے بھی یہ بات کہی ہوگی۔ تاکہ اِس بات کی اشاعت ہو کہ انگلستان اسلام کا بدترین

دشمن ہے۔

جب بعض آدمی لارڈ سالسبری پر آرمینیا کی بجائے یلدز کیطرف جنگی بیڑہ جہازات بھیجنے کے لئے زور دے رہے تھے۔ کہ آرمینیوں کا بدلہ لیں۔ اُسوقت ایک لارڈ نے مجھے کہا "اگر ٹرکی ہماری مسلمان رعایا کے جوش کو بھڑکا ہی دے۔ تو وہ کیا کر سکتے ہیں۔؟" پھر نہایت مدققانہ انداز سے کہنے لگا "ہم اُن کو ہر جگہ اور ہر وقت ٹھنڈا کر کے بیٹھال سکتے ہیں۔" ہاں۔ ہم سب جانتے ہیں۔ کہ مشرق میں انگلستان بڑا زبردست اور طاقتور ہے۔ اور ہم تعریف کرتے ہیں۔ کہ اپنے ملک کے اغراض کی حفاظت ایک انگریز نہایت مستعدی اور دانائی سے کرتا ہے۔ مگر تاریخ میں کئی ایک ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ چھوٹی چھوٹی اور کمزور قوموں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو وہ ہاتھ دکھائے ہیں۔ کہ صفحہ ہستی سے اُن کے وجود مٹا دئے ہیں اگر بدقسمتی سے مسلمانوں کو جنگ کا تہیہ کرنا ہی پڑا۔ تو وہ ہمیشہ نیزوں بھالوں اور زمانہ وسطیٰ کے ہتھیاروں سے ہی لڑتے جائیں گے۔ اُنکا پائمال کرنا یا مطیع و فرمانبردار بنالینا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ اور نہ ہی جیسا کہ پادری کہتے ہیں۔ مسلمان بتدریج عیسائی بنائے جاکر رام و مطیع ہو سکتے ہیں۔ پادریوں کے اس بیان میں صداقت کا شمہ تک نہیں۔ یہ محض اُن کی یاوہ گوئی اور خام خیالی ہے اور واقعات سے بیخبری کی دلیل ہے۔ یہ کروڑہا مسلمان اسیطرح موجود و قایم رہیں گے۔ ایک دن وہ ضرور بالضرور بیدار ہوں گے۔ اور جنگ کے موجودہ آلات کا استعمال کریں گے۔ میں نہیں خیال کرتا۔ کہ برطانیہ اعظم کی مسلمان رعایا کو بھڑکا کر انگریزوں سے عداوت کرنا ٹرکی کے حق میں مفید ہے۔ اور مجھے یقین ہے جب موجودہ عہد کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ٹرکی میں کا ہر فرد انگریزی اقتدار کے از سر نو قایم ہوجانے سے خوش ہوگا۔ لہذا اس بات کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ بعض انگریز عثمانی خلافت کے برخلاف رقیبانہ انداز اختیار کریں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی نسل کے انگریز مدبر موجودہ نسل کے انگریز مدبروں سے زیادہ دانا تھے۔ کیونکہ خلافت کے رسوخ و اقتدار سے اپنے ملک کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ بطور مثال۔ ہندوستان کی فتوحات کے ابتدائی زمانہ میں انگریزی

سفیر متعینہ دربار قسطنطینیہ نے باب العالی سے درخواست کی تھی کہ وہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے آگے انگریزوں کی سفارش کرے۔ پولیٹیکل پہلو چھوڑ کر اب میں عثمانی خلافت پر مذہبی پہلو سے بحث کرتا ہوں۔ اس مضمون پر طبع آزمائی کرتے ہوئے۔ بعض انگریز وقائع نگاروں نے ایسے الفاظ لکھے ہیں جیسے کہ وہ مسلمانوں کی سرداری سے متعلق سلطان روم کے جھوٹے دعوے جب تک مسلمانوں کی کثرت تعداد اس خلافت کو مانتی ہے۔ میں نہیں جانتا۔ ان بیرونی متعصبین کو اس خلافت پر اعتراض کرنے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ اکثر یہ حجت پیش کیجاتی ہے۔ کہ شیعہ مسلمان خلافت عثمانی کو کیوں نہیں مانتے مگر یاد رہے۔ ایسے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ وہ بھی دیر سے یا جلد ہی اگر مذہبی وجوہات کی بنا پر نہیں تو پولیٹیکل اغراض کے لحاظ سے ہی ضرور بالضرور اس خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ کیونکہ اسلامی دنیا کی رہی سہی آزادی بھی اب خطرہ میں ہے اور اس خطرہ کو سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے مسلمان محسوس کر رہے ہیں عثمانی خلافت کے برخلاف دیگر دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خلیفہ قبیلہ قریش اور رسول مقبول کی براہ راست نسل میں سے ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہ عثمانی سلطان قریشی نہیں ہیں۔ ممکن ہے اس دلیل میں کوئی اس قسم کی دلیل پیش کیجاتی ہو۔ جو ان وضعی حدیثوں میں سے ہو۔ جو آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مختلف لوگوں نے خود ہی بنا لی تھیں۔ اور یہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ رسول مقبول جیسا منصف مزاج مقنن ایسا قانون بناتا۔ کہ آنجناب کی اولاد سوائے امت میں سے کوئی بھی خلیفہ نہ ہو سکے۔ آنجناب کی تعلیم بموجب سب مسلمان آپس میں مساوات کے درجہ پر ہیں اور اپنے سارے پیرووں کو بلا تمیز قوم و رنگ، امتی کر کے پکارتے تھے لہذا خلیفہ کیلئے رسول کی نسل سے ہونا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں رسول مقبول کا فرزند نرینہ کوئی نہ تھا۔ اور اسلامی شرع کے مطابق وراثت کا حق لڑکی کو نہیں ملتا۔ اور یہ کہ خلیفہ دنیاوی سردار ہوتا ہے۔ نہ کہ مذہبی پیشوا۔

عثمانی خلافت کی تائید میں دوسری بڑی دلیل یہ ہے کہ عثمانی سلطان مدت سے خلیفہ کہلاتے ہیں۔ پہلے پہل خلیفہ کا لقب ۱۵۱۷ء میں فتح مصر کے دوران میں سلطان سلیم نے اختیار کیا تھا۔ جبکہ حجاز کے ایک وفد نے حرمین شریفین کی کنجیاں اس کے حوالہ کیں۔ اور اسکو اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ اُس وقت سے لیکر آجتک بغیر کسی وقفہ کے عثمانی سلطان اس لقب سے معزز و مفتخر ہوتے آ رہے ہیں۔ اور رسول خدا کے علم کے محافظ رہے ہیں۔ اسوقت سے مکہ مدینہ۔ دولت عثمانیہ کا ایک ضروری جزو ہو گیا ہے۔

ایک خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ آزاد حکمران ہو۔ اور خاص کر حرمین الشریفین بھی اسکی نگرانی میں ہوں۔ یہ ایک خام خیالی ہے کہ ایک غیر مذہب سلطنت کی زیر حمایت ایک عرب خلیفہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ایسی لغو خیالات محض ترکی سے عداوت رکھنے کی وجہ سے بعض اشخاص ظاہر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ ،، انگریزی راج سے بڑھ کر کوئی بہتر خلیفہ نہیں ہو سکتا ،، مسلمانوں کو برٹش راج کی خلافت منوانا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ اس ملک کو مشرف بہ اسلام کرنا۔ اگر انگریز فی الواقعہ اسلامی دنیا میں اپنا اقتدار و رسوخ بڑھانے کے خواہشمند ہیں۔ تو اُن کو عثمانی خلافت پر حملے نہ کرنے چاہییں۔ بلکہ اُس کے اقتدار سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ یہ رائے جو میں نے دی ہے۔ ایک مسلمان کو دوستانہ رائے معلوم نہ ہو گی۔ کیونکہ مسلمانوں کا عام رجحان موجودہ خلافت کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کا ہے۔ یہ رجحان اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ برّ اعظم کے اخبارات کو یقین ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ پان اسلامک تحریک کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ دنیا میں ایسی تحریک کا وجود تک نہیں۔

تیرھواں باب

ایشیائے کوچک کا آخری پیدل

محل کے جاسوسوں کی مجھ پر نظر۔ اُن کے ڈر سے کچھ عرصہ کے لئے میرا

قسطنطنیہ چھوڑنا۔ انگلستان اور اناطولین ریلوے۔ ایک مکار گورنر۔ ایشیائے کوچک میں حکومت کا تغیر۔ لوگوں کے ایک جا جمع ہونے میں رکاوٹیں۔ شادی ضیافتوں میں تخفیف۔ جرمنی کی جنگی مشق۔ میری روانگی انگلستان پر میری ماں کے اعتراضات۔ میرا جھوٹ بولنا۔

اسوقت میں اون یورپینوں کا کام کر کے جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے اچھی روزی کما لیتا تھا۔ میں نے اپنی سہولت کے لئے دار الخلافہ کے یورپین کوارٹر پیرا میں رہنے کا ارادہ کیا۔ مگر پیرا میں اجانب کے درمیان رہنے سے محلّ کے چند اشخاص مجھ سے بدظن ہو کر میری نگرانی کرنے لگے۔

مجھے شک پیدا ہوا۔ کہ چند پر اسرار اشخاص میری حرکات پر خیال رکھتے ہیں۔ اور سایہ کیطرح میرے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ تاہم یہ میرا شک تھا یقین نہ تھا۔ میں نے اخبار ٹائمز کے سابقہ نامہ نگار اپنے انگریز دوست کو کہا۔ کہ مجھے ڈر ہے۔ کہ جاسوس میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور مناسب ہے کہ انگلستان جانے کا میرا ارادہ پورا کر دوں۔ اس نے مجھ سے اتفاق کیا۔ کہ ٹرکی سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔ مگر ساتھ ہی مجھکو ہدایت کی۔ کہ کام چھوڑنے۔ ملک میں تمام امیدوں سے ہاتھ دھونے اور غیر ملک میں جہاں پہلے سے کوئی واقفیت نہیں۔ جانے سے پیشتر معاش کا کوئی ذریعہ پیدا کر لینا لازم بلکہ الزم ہے۔ مگر میرے دل میں یہ وسواس پیدا ہو گیا ہے کہ میں جلد یا دیر سے موجودہ ظلم کا شکار ہو کر شہیدان ظلم و جفا کی فہرست میں داخل ہونے والا ہوں۔ خوش قسمتی سے موسم گرما کی تعطیلیں آگئیں۔ اور میں نے کچھ عرصہ کے لئے قسطنطنیہ سے چلا جانا ضروری سمجھا۔ میرے انگریز دوست نے نئی تعمیر شدہ اناطولین ریلوے کے ڈائرکٹر سے میری سفارش کی۔ اور اس نے مجھے انگورا تک اوّل درجہ کی گاڑی کا ٹکٹ مفت دیدیا۔ یہ ملک میں نے چند سالوں سے نہیں دیکھا تھا۔ چند دن بعد قسطنطنیہ کے گھاٹ گذر کر ایشیائی ساحل پر پہونچا۔ اور حیدر پاشا کی سرحد پر اس گاڑی میں سوار ہوا۔ جو مجھے فی الفور ایشیائے کوچک کے وسط میں لے گئی۔ حیدر پاشا اور انگورا کے درمیان لندن اور گلاسگو کے درمیان فاصلہ

سے کمتر فاصلہ ہے۔ تاہم ڈاک گاڑی اس فاصلہ کو دو دن میں طے کرتی ہے۔ جرمنی ریلوے کمپنی مسافروں کو زیادہ آرام نہیں دیتی۔ اور وبنا کوریگی کمپنی کے کسٹم افسر اور انسپکٹر سفر میں مختلف مقامات پر مسافروں کے اسباب کی تلاشی لینے میں سخت تکلیف دیتے ہیں۔ نصف مسافت طے کرنے کے بعد شام کے وقت گاڑی ٹھہر جاتی ہے۔ اور رات کو نہیں چلتی۔ یہاں مسافروں کا اندرونی پاسپورٹ دیکھا جاتا ہے اور اور خود اُس پر بھی کئی سوالات کئے جاتے ہیں۔ پہلے دارالخلافہ میں۔ پھر پہلی رات کو۔ اور آخری دوسری رات کو۔ جبکہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔

جب اناطولین ریلوے لائن پہلے پہل انگورا تک تیار ہوئی۔ تو اُس ملک کے لوگوں کا خیال تھا۔ کہ انگورا ابھی تیسری لائن کا ایک اسٹیشن ہوگا۔ جو دارالخلافہ سے لے کر ساحل خلیج فارس تک بننی تجویز ہوئی ہے۔ مگر یہ خیال ٹھیک نہ نکلا۔ کیونکہ تیسری لائن عسکی شہر پر جو انگورا اور دارالخلافہ کے درمیان واقع ہے۔ جنوب کی سمت پھر کر قونیہ کی طرف بڑھتی ہے۔

کوئی شک نہیں۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو یاد ہوگی۔ کہ یورپ اور نزدیک مشرقی ہندوستان کے درمیان آمد و رفت ریلوے لائن تعمیر کرنے کی تجویز سب سے پہلے پیش کی تھی۔ مگر اس تجویز میں کامیابی نہ ہوئی۔ جرمنی جو انگریزوں کی جگہ روم میں پولیٹیکل و تجارتی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ آگے بڑھے۔ اور اسی کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اب وہ اُس ریلوے لائن پر اقتدار حاصل کر رہے ہیں۔ جو انگریزوں کے لئے ہندوستان کا ضروری راستہ ہے۔ میں نہیں جانتا۔ اس لائن کا جرمنی قبضہ انگلستان کے لئے واقعی مضر ہے یا نہیں۔ مگر اس لائن کا انگریزی کمپنی کے ہاتھ میں نہ ہونا میرے ہم ملکوں کے لئے ضرور نقصان دہ ہے۔ کیونکہ انگریزوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے طرفین کا فائدہ ہوتا ہے۔ مگر جرمنی جو یورپ میں سب سے زیادہ حریص ہیں مطلب کے یار ہیں۔ اُن سے ٹرکی کو فائدہ پہونچنے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایسے ہیں۔ کہ چرسی یار کس کے۔ دم لگایا کھسکے

میری روانگی کی دوسری تاریخ کو غروب آفتاب کے وقت گاڑی انگورا پہونچی۔ میں نے اپنی گاڑی کی کھڑکی سے دیکھا۔ کہ شہر کے کچے مکان اور پرانے قلعہ

کی دیواریں سفید رنگ کا جامہ پہنکر خوب چمک دمک دکھلا رہی ہیں۔ پہلے میں نے خیال کیا۔ چونکہ ریلوے لائن بن گئی ہے۔ لوگ متمول اور خوشحال ہو گئے ہوں گے یہ مکان اُنھوں نے نئے بنوائے ہونگے۔ مگر مجھے اپنے خیال کی غلطی جلد ہی معلوم ہوگئی۔ اصل بات یہ تھی۔ کہ ریلوے کے باضابطہ افتتاح سے پہلے گورنر جنرل نے میونسپل حکّام کو قلعہ اور شہریوں کو اپنے مکان سفید کرنے کا حکم دیا تھا۔ تاکہ یورپین سیاح اور ریلوے کمشنر جو انگورا میں آئیں۔ یہ خیال کریں کہ شہر بڑا متمول اور خوشحال ہے۔ کوئی شک نہیں۔ گورنر نے یہ سبق یلیذر کوشک سے سیکھا ہوگا۔ جس نے قیصر کی پہلی رونق افروزی کے وقت قسطنطنیہ کے برباد حصّوں کو اسیطرح سفید کر دیا تھا۔ مجھے اس بات سے سخت حیرانی ہوئی۔ کہ قلعہ کے پرانے پتھر خراب سفیدی کرنے سے بدنما ہوگئے۔

اس گورنر کا نام علیمین پاشا تھا۔ اور وہ آجکل ٹرکی کے زیر نگیں مجمع الجزائر کا والی ہے۔ وہ البانوی الاصل ہے اور ونیمسٹر میں تعلیم پائی ہے۔ وہ قدیم یونانی میں نظمیں لکھ سکتا ہے۔ اور بڑا ماہر زباندان اور عالم سمجھا جاتا ہے۔ وہ چند سالوں تک انگورا کا گورنر رہا ہے۔ مگر اس نے صوبہ کی حالت درست کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ اگر ایسا شخص کسی اور ملک میں ہوتا۔ تو کسی کالج میں پروفیسر بنا دیا جاتا مگر ذمہ داری کے اعلےٰ عہدہ پر کبھی بھی مامور نہ کیا جاتا۔ ٹرکی ایسے خیالی عالموں کے ذریعہ مفید مطلب اصلاحیں نافذ نہیں کرا سکتی۔ خیر یہ تو پھر بھی عالم ہے۔ مگر اُن نالائق اور جاہل افسروں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ جن کو ابھی تک محل کی پارٹی صوبوں کی گورنری پر مامور کر رہی ہے۔

میں اب چند سالوں کے بعد ایشیائے کوچک میں آیا تھا۔ میری غیر حاضری میں کئی تغیرات عظیم واقع ہو چکے تھے۔ ایک تو یہ تھا کہ سنٹرل گورنمنٹ نے زائد از ضرورت افسر مقرر کر کے صوبہ کے لوگوں کو خواہ مخواہ زیر بار کر رکھا تھا۔ بطور مثال انگورا میں کوئی بھی قطعہ زمین ایسا نہیں کہ اس پر جنگل کا لفظ صادق آسکے۔ تاہم ایک محکمہ جنگلات قائم کر دیا۔ اور کوئی ڈائرکٹر۔ سب ڈائرکٹر۔ اور ماتحت افسر مقرر کر کے بھیج دیے۔ اس محکمہ کے اخراجات چلانے کے لیے باشندوں پر محصول لگائے

اور کئی خلاف مصلحت قانون بنا کر رائج کر دئے۔ اصل بات تو یہ ہے۔ کہ اہل یورپ کو دکھانے کے لئے۔ کہ اصلاحیں نافذ کی جا رہی ہیں۔ سلطان کی گورنمنٹ نے منجملہ دیگر ضابطوں کے جنگلات کے انتظام سے متعلق فرانس کا ضابطہ سلطنت میں رائج کیا ہے۔ قسطنطنیہ میں ایک نیا ڈیپارٹمنٹ قایم کر دیا ہے۔ اس پارلیمنٹ نے ولایتوں اور منیم حصوں میں اپنی شاخیں قایم کی ہیں۔ اور بہت سے محل کے آوردہ افسران جنگلات مقرر کئے ہیں۔ اور اسبات کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔ کہ جہاں افسر بھیجے جا رہے ہیں۔ آیا وہاں کوئی جنگل بھی ہے یا نہیں۔

صوبجات کی گورنمنٹوں میں مقامی اقتدار اور رسوخ کو ملیامیٹ کرنے کے لئے قصبوں کی انتظامی کونسلوں کے اجلاس میں ہر مذہب و ملت کے مسلم وغیر مسلم رئیسوں اور مذہبی پیشواؤں کو جو چھ کی تعداد میں سلطانی افسروں کے ساتھ ملکر انتظامی معاملات پر بحث کرتے تھے شامل ہونے سے ایکطرح روک دیا۔

ایسی رسومات کو کہ جن میں بہت سے لوگ جمع ہوں۔ دار الخلافہ کیطرح یا تو بند کر دیا گیا اور یا سخت قیود لگا دئے۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دغا باز ہے۔ وہ بزدل بھی ہے" اور عبد الحمید جس نے ترکی کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے ہیں۔ ڈرتا ہے۔ کہ لوگوں کا انبوہ آپس میں مشورہ کر کے کہیں اس کے برخلاف علم بغاوت بلند کر دے۔ میں یہاں ان دو بات کا ذکر کروں گا۔ کہ جن میں لوگوں کا بڑا مجمع ہوتا ہے۔

ایک تو شادی کے موقع پر بہت سے آدمی جمع ہوتے تھے۔ اور دوسرے جنازے کے موقع پر۔ اول الذکر میں انبوہ کو کم کرنے کے وجوہات بتلائے گئے۔ کہ اس موقع پر لوگ بے دریغ روپیہ خرچ کر کے ارمنوں یا دیگر ساہوکاروں کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور آخر سب کچھ ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں۔ سلطان کی اس ممانعت کو پدرانہ شفقت پر محمول کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت بات بھی یہ ہے۔ کہ ایشیائے کوچک میں صرف بیوی کرنے اور رکھنے سے چنداں اخراجات کا متحمل نہیں ہونا پڑتا۔ آجکل شادی کے موقع پر بڑی بڑی ضیافتیں دیکر بہت سا روپیہ لٹا دیتے ہیں۔ برات جانے سے چند دن پیشتر امیروں اور غریبوں کی بڑی بڑی پارٹیوں کو پر تکلف

لنچ اور کھانے دئے جاتے ہیں۔ گھروں کے اندر ہارمونیم۔ ارگن وغیرہ بجائے جاتے ہیں۔ اور عجیب رنگ ڈھنگ کیا جاتا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں سے ایک بڑا جلوس دلہن اور اسکی سہیلیوں کے ساتھ جو بند تخت رواں بیٹھی ہوتی ہیں گذرتا ہے۔ رات کے وقت آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ اور مشعلوں کی روشنی کیجاتی ہے۔ دن کے وقت شہر کے پہلوانوں کی کشتی کرائی جاتی ہے۔ (کشتی ٹرکی میں قدیم سے مروج ہے۔ جوان اور بالغ آدمیوں کے علاوہ سکولوں میں تمام طالب علم بھی کشتی کی مشق کرتے ہیں۔ اس سے جسم کو بڑی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور صوبوں کے ترک اسکی بدولت خوب ہٹے کٹے رہتے ہیں) دلہن کے جلوس اور دیگر موقعوں پر دف اور ڈھول زور زور سے بجائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی تری یا بین پھونکی جاتی ہے۔ بین غریب طبقہ کے لوگوں اور کاشتکاروں میں بڑی پسند کیجاتی ہے۔ اور حقیقت میں یہی باجہ ہے جو اُن کو میسر آتا ہے۔

جرید ایک پرانی قومی رسم ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے بہت سے آدمی جمع ہوتے تھے۔ اسکو بھی بند کر دیا گیا۔ جرید کا فن ایشیائے روم کے ہر شہر میں مروج تھا جمعہ کے روز سہ پہر کے وقت خطبہ ختم ہو چکنے کے بعد لوگ چند موٹی اور لمبی چھڑیوں سے مسلح اور گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے باہر جاتے تھے۔ جرید کا کھیل صرف مضبوط اور توانا آدمی کا کام ہے۔ اہل جرید کے لئے دو چیزیں ازبس ضروری و لازمی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اعلےٰ درجہ کے شہسوار ہوں۔ دوسرے یہ کہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنی چھڑیوں کو بالکل سیدھا پھینک سکیں۔ دونوں طرف بیس بیس آدمی کے قریب ہوتے ہیں۔ اور وہ پچاس گز کے فاصلہ پر کھڑے ہوتے ہیں تماشائی بلند جگہوں پر جہاں کہ مشغول پیکار سواروں کے گھوڑوں کی جھپٹ میں آنے کا خوف نہیں ہو سکتا کھڑے ہو کر مقابلہ دیکھتے ہیں۔ کھیل کا آغاز ایک شخص کرتا ہے جو ایکطرف سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ اور اپنی ایک چھڑی اپنے ایک حریف کیطرف پھینکتا ہے۔ اُس کے چھڑی پھینکنے کی دیر ہوتی ہے۔ کہ اوسکا تعاقب شروع ہو جاتا ہے۔ تعاقب کنندے بھی اپنی باری چھڑیاں پھینکتے ہیں۔ اور اسطرح کھیل جاری رہتا ہے۔ کسی قسم کا فساد یا بے ایمانی کرنی روا نہیں۔ اور ہر شخص اپنی

بار ہی پر بہادرانہ اور دلیرانہ کھیلتا ہے۔ چھڑیاں حریف کے سر پر دیدہ و دانستہ نہیں پھینکنی چاہئیں۔ کھیلنے والوں کو اختیار ہے کہ جس طرح مناسب سمجھیں اپنے آپکو چھڑیوں کے زد سے بچائیں۔ اور زد سے بچنے کے لئے وہ عجیب عجیب کرتب کرتے ہیں۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کبھی تو گھوڑے کی گردن کیطرف کبھی پیٹ کیطرف عجب انداز سے جھک جاتے ہیں۔

جو شخص تمام چھڑیاں پھینک چکا ہو۔ اُسکو اختیار ہے کہ زمین پر گری ہوئی چھڑیوں کو گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا یا تو جھک کر خود ہاتھ سے پکڑ لے یا اُس پالش سے جس کے آگے کانٹا لگا ہوتا ہے۔ بعض اوقات دو حریفوں کے گھوڑے آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ اور سوار دھم سے زمین پر گرتے ہیں۔ اور اکثر گھوڑوں کے سموں تلے آجاتے ہیں۔ جس شخص کا گھوڑا تیز ہو۔ وہ اس کھیل میں بڑا اعزا کرتا ہے۔ حریف کی طرف چھڑی پھینککر وہ اپنی قطار کیطرف واپس نہیں بھاگتا۔ بلکہ کھلے میدان کیطرف ہوا کیطرح اُڑ جاتا ہے۔ بعض حریف اُسکا میدان کے سرے تک تعاقب کرتے ہیں۔ یا تو پکڑا گیا۔ یا بچ رہا۔

جب میں اس دفعہ آیا۔ یہ کھیل واقع نہ تھا۔ کیونکہ سخت حادثات وقوع میں آئے اور بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ لہذا مہربان گورنمنٹ نے اس کو بند ہی کر دیا۔ اس ممانعت سے مجھے سخت رنج ہوا۔ اور میں نے گورنمنٹ پر کھلم کھلا نکتہ چینیاں کیں۔ یہ دیکھکر میرے ایک رشتہ دار نے مجھے ایک قدیم ضرب المثل یاد کرائی۔ کہ ہر ایک شخص کی سلامتی اسی میں ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ مزید برآں اُس نے کہا کہ بد زمانہ مخالف ہے۔ اگر تم حزم و احتیاط سے کام نہ لوگے تو...... جان لو میں اُسکا اشارہ سمجھ گیا۔ اُسکا منشا تھا کہ اگر موجودہ حکومت پر نکتہ چینی کرو گے۔ تو یا تو زنداں میں ڈالے جاؤ گے یا جلاوطن کئے جاؤ گے۔ میں ...... انتیاسے کوبیک میں زیادہ نہ ٹھہرا۔ اپنے معاملات درست کر کے اور اسباب باندھ کر قسطنطنیہ کی طرف واپس آگیا۔ کیونکہ یہاں سے ایک آدمی سڑک سے زیادہ تر آسانی سے بھاگ سکتا ہے۔ ہم میں خواہ کوئی کتنی ہی عمر کا کیوں نہ ہو۔ اسپر والدین کی تابعداری فرض ہے۔ اور جب وہ کوئی جانبازی کا کام کرنے لگے تو اُن کی اجازت حاصل کرنی ازبس ضروری ہے۔ پس میں نے اپنے انگلستان

جانے کا ارادہ اپنی ماں سے ظاہر کر دیا۔ وہ غریب مسلمان خاتون میرا یہ ارادہ سن کر کانپ اٹھی۔ اور مجھ سے اس قسم کے سوال کرنے لگی۔ وہاں تمہاری خبرگیری کون کریگا اگر اس دور دراز ملک میں خدانخواستہ آج سے دور تم بیمار ہو جاؤ۔ تو تیمارداری کون کرے گا۔ اگر خدانخواستہ کوئی ہرج مرج ہو جائے۔ تو دفن کفن کا فکر کس کو ہوگا کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ کافروں کی رسومات کے مطابق تم سپرد خاک کئے جاؤ؟ شاید اسکو یہ خیال پیدا ہوا! ان مصیبتوں سے بڑھ کر ایک اور مصیبت ہے۔ یعنی غیر ملک میں افلاس کے پنجہ میں گرفتار ہونا۔ یہی خیال تھا جو مجھے سخت بے چین کر رہا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ جو شخص سلطان کی منظوری حاصل کئے بغیر اسکی عملداری سے جاتا ہے۔ اس پر ترکی کے وسائل کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

پس جب میں قسطنطنیہ کیطرف روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ میری ماں نے سخت منتیں کیں۔ کہ میں ولایت جانے کا خیال ترک کر دوں۔ میں نے اسکو تسلی دینے کے لئے گول مول سے وعدے کر دیئے!

چودھواں باب

پبلک حمام میں ایک جاسوس

ترکی حمام۔ اس کے چند سوالات۔ قسطنطنیہ میں حماموں کی کثرت۔ زنانہ حمام اور ایک ضرب المثل۔ حمام میں ایوننگ پارٹیاں۔ (یعنی شام کو چند اشخاص کا مل کر بیٹھنا۔ حمام میں ایک جاسوس سے میری ڈو بڈو۔ تیرے متعلق اس کی کامل آگاہی۔ میرا ڈر جانا۔ فرار ہی میں ایک انگریز سے مدد لینے کی التجا۔ مقہور ملک۔

جب میں قسطنطنیہ واپس آیا۔ تو میں نے کم و بیش گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ محل کے جاسوسوں کی نشانہ سے بچنے کا ایک یہی ممکن ذریعہ ہو سکتا تھا۔ ایک سال بغیر کسی نئے خوف اور ڈر کے گذر گیا۔ اور اس اثنا میں ملک

سے روانہ ہونے کا کوئی ایسا موقع ہاتھ نہ آیا۔ میں نے یہ خیال کیا ہی تھا کہ میری حزم و احتیاط مجھ سے خواہ مخواہ ایک ایسا انقلاب کرنے والی تھی۔ کہ میری زندگی تلخ ہو جاتی۔ کہ ایک رات یہ معلوم کرکے کہ واقعی ایک جاسوس میرے پیچھے لگا ہوا ہے کانپ اُٹھا۔ مجھ کو اس بات کا علم ایک ترکی حمام میں ہوا۔ مگر یہ بتانے سے پیشتر کہ کس طرح ہوا۔ میں اِن حماموں کا ذکر کرتا ہوں۔

ترکی حمام انگلستان میں بہت پسند کئے جاتے ہیں۔ اور شاید اس کتاب کے ناظرین میں سے چند اشخاص اُن کے حالات سے بھی واقف ہوں۔ کیا ترکی میں ترکی حمام معلوم ہے۔؟ یہ عجیب سوال اکثر انگریز اُن سیاحوں سے کرتے ہیں۔ جو بلاد مشرق کی طرف سے آتے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ کہ انگلستان میں ترکی حماموں اور ترکی کے حماموں کی ظاہر صورت اور انتظام میں چنداں مشابہت نہیں ہے۔ باہر سے حمام ایک گنبد دار مکان کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اس کی چھت پر بہت سے چھوٹے چھوٹے گنبد اور مینار ہوتے ہیں۔ جو گنبد وسط میں ہوتا ہے سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اور حمام میں روشنی کرنے کی غرض سے اُس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔ حمام کی دیواروں میں کوئی کھڑکی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ خیال عام ہے کہ اگر دیواروں میں دریچے لگائے جائیں۔ تو باہر کی ہوا اندر داخل ہو جاوے گی۔ اور اُس درجہ حرارت میں فرق ڈال دے گی۔ جو اندر کی ہوا میں رکھنا منظور ہے۔ چونکہ تازہ ہوا اندر بہت کم داخل ہوتی ہے۔ اندر کی ہوا کثیف ہو جاتی ہے۔ اور تازہ ہوا صرف اُسی وقت داخل ہو سکتی ہے۔ جب آنے جانے والے راستوں کے ڈبل دروازے کھولتے ہیں۔ ہوا کو صاف کرنے کے لئے ملازمان حمام لوبان اور دیگر خوشبوئیں پھیلاتے رہتے ہیں۔ وسطی گنبد کے نیچے جو گرم کمرہ ہوتا ہے۔ اُس میں تین بڑے بڑے طاق اور پہلوؤں پر ایک سامنے کی طرف اور دو چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں۔ اور ان طاقوں اور خانوں کی چھتیں نیم گنبدی ہوتی ہیں۔ اور اُن میں شیشے کے روزن لگے ہوتے ہیں۔ یہ چھتیں درمیانی گنبد کے چھت تک پہنچتی ہیں۔ حمام کی قامت کے مطابق ان طاقوں اور خانوں میں ایک دو یا تین حوض ہوتے ہیں ہر ایک حوض میں دو سوراخ ہوتے ہیں۔ ایک گرم پانی کے لئے۔ دوسرا سرد پانی

سکے لئے۔ اِن حوضوں کے اِردگرد لوگ سنگ مرمر یا کاٹھ کی نشستوں پر بیٹھ کر جو پانچ یا چھ انچ بلند ہوتی ہیں۔ غسل کرتے ہیں۔ چھوٹے خانے درخواست کرنے پر پرائیوٹ استعمال کرنے کے لئے مل سکتے ہیں۔ ان خانوں میں سے ایک سخت گرم ہوتا ہے۔ اور گرم پانی کے حوض کی بغل میں بنا ہوتا ہے۔ بعض شخص اس گرم خانہ میں صرف اسی غرض سے نہیں جاتے۔ کہ کھل کر پسینہ آجائے۔ مگر سخت گرم پانی سے نہاتے بھی ہیں۔

درمیانی چھت کے نیچے گرم کمرہ میں دو فٹ بلند سنگ مرمر کی گول نشست بنی ہوتی ہے۔ غسل کرنے والا اس نشست پر نہانے سے پہلے بیٹھتا یا لیٹتا ہے اور جب تک کھل کر پسینہ نہ آجائے۔ اسی حالت میں رہتا ہے۔ جب وہ آرام سے بیٹھا ہوتا ہے۔ ایک خدمتگار آتا ہے۔ اور سخت دستانے پہنکر جو گھوڑوں کے بالوں کے بنے ہوتے ہیں۔ اس کے جسم کو ملتا ہے۔ اس کے بعد نہانے والا ایک حوض کیطرف جاتا ہے۔ خدمتگار ایک بڑا آفتابہ اور صابون لئے اس کے پیچھے جاتا ہے۔ پھر گرم اور سرد پانی کی ٹوٹیاں کھول کر جتنا پانی درکار ہو حوض میں ڈالتا ہے۔ نہانے والے کو صابون ملتا ہے۔ اور آفتابے میں پانی لیکر اس پر ڈالتا ہے۔ بہت سے مسلمان غسل کرنے کے بعد بموجب حکم شرع بہتے ہوئے پانی سے وضو کرتے ہیں۔ جب سب کچھ ہو لیتا ہے۔ تو خدمتگار اپنے ہاتھوں سے بلند تالی بجاتا ہے۔ کہ داخلہ کے کمرہ میں سنی جا سکے۔ آواز سنکر ایک اور خدمتگار آتا ہے۔ اور تولئے سے صاحب غسل کا بدن پونچھتا ہے۔ پھر اس پر ایک اور تولیہ ڈال کر بازو سے پکڑکر باہر لاتا ہے۔ حمام میں ہر شخص کھڑاویں پہنکر چلتا ہے۔ تاکہ فرش پر ننگے پاؤں چلنے سے جس پر استعمال شدہ پانی پڑا ہوتا ہے وضو نہ ٹوٹ جائے۔ علاوہ بریں یہ بھی خیال ہوتا ہے۔ کہ کہیں مرمری فرش پر جو بڑا چکنا ہوتا ہے۔ پاؤں نہ پھسل جائے۔

گرم کمرہ اور داخلہ کے کمرہ کے درمیان ایک مربع کمرہ ہوتا ہے۔ جس میں چند بستر لگے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات خاصکر سردی کے موسم میں لوگ اس کمرہ میں کپڑے اتارتے اور نہانے کے بعد پہنتے ہیں۔ یہ کمرہ داخلہ کے کمرہ سے زیادہ گرم

ہوتا ہے۔ موخرالذکر سرد ہوتا ہے۔ اور اس کی ہوا بھی درمیانی کمرہ جتنی کثیف اور غلیظ نہیں ہوتی۔

داخلہ کا کمرہ بھی مربع شکل کا ہوتا ہے۔ اور اس میں چاروں طرف گیلریاں بنی ہوتی ہیں۔ جن میں بستر بچھے ہوتے ہیں۔ مہتمم حمام دروازے کے پاس بیٹھا حقہ پیا کرتا ہے۔ اور حمام میں ہر آنے والے اور جانے والے کو سلام کرتا ہے۔ کمرہ کے درمیان میں ایک فوارہ ہوتا ہے جس میں سے صاف اور سرد پانی اچھل کر سنگ مرمر کے بڑے حوض میں گرتا رہتا ہے۔ گرمی کے موسم میں گاہکوں کے لئے اس پانی میں تازہ پھل اور لیمونیڈ کی بوتلیں سرد کرنے کے لئے رکھی جاتی ہیں۔ پاس ہی ایک آدمی کافی گرم کرتا رہتا ہے۔ کوئی شخص دن میں جتنی دفعہ ہو سکے کافی کی ایک چھوٹی پیالی پی لے۔ بعض آدمی حمام میں دیر تک ٹھیرے رہتے ہیں اور کھانے کے وقت ملازمان حمام ان کیلئے رکابیوں سے معمولی پاس کے نان بائیوں کی دوکان سے لاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔

بھٹی جس میں سال بھر دن رات آگ جلتی رہتی ہے۔ حمام کے مکان کے پچھواڑے ہوتی ہے۔ یہ زمین دوز ہوتی ہے۔ اور لکڑی کے کئی کندے پاس پڑے ہوتے ہیں۔ جو کہ جلانے کے کام آتے ہیں۔ بھٹی پر ایک بڑا بائلر (لوہے کا ایک حمام جس میں پانی گرم ہوتا ہے) لگا ہوتا ہے۔ اس بائلر میں ایک طرف سے سرد پانی داخل ہوتا ہے اور گرم ہو کر دوسری طرف سے حوض میں گرتا ہے۔ کئی بے خانماں آدمی سردی کے موسم میں شب گذاری اس بھٹی پر کرتے ہیں۔ اور خشک لید پر جو لکڑیوں کے ساتھ ملا کر جلائی جاتی ہے۔ اور ڈھیروں کی ڈھیر بھٹی کے سامنے پڑی رہتی ہے۔ سو رہتے ہیں۔ ان غریب نوجوانوں کو گندی اور غلیظ جگہ پر لیٹے ہوئے دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ فائرمین (بھٹی کا مہتمم۔ یا آگ جلانے والا) ان لوگوں کو پناہ دینے میں تامل نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ان سے بغیر اجرت دیئے بھٹی سے متعلق سخت سے سخت کام لے لیتا ہے۔

بعض شہر کی حمام ڈبل بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ عورتوں کے لئے مخصوص رہتا ہے۔ بعض جگہوں پر عورتیں ایک مقررہ دن پر جو ان کے لئے

مخصوص کردیا جاتا ہے۔ حماموں میں غسل کرنے جاتی ہیں۔ بعض حمام سات بجے شام تک عورتوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ اُس کے بعد مردوں کے لئے۔ اُجرت اچھی معقول لیجاتی ہے۔ ایک شخص ایک شلنگ آٹھ پنس دیکر مکمل غسل کرسکتا ہے۔ اور جتنا عرصہ چاہے۔ حمام میں ٹھیر سکتا ہے۔ جب رقم ادا کرکے وہ باہر آنے لگتا ہے مہتمم حمام اور دیگر ملازمان حمام اوسکو مؤدبانہ جھک کر سلام کرتے ہیں۔ عورتیں بہت کم اُجرت دیتی ہیں۔ اون کے اخراجات غسل چھ پنس سے نہیں بڑھتے۔

کیونکہ وہ سب اپنا صابون۔ اپنا تولیہ اور اپنی کھڑاویں ساتھ لاتی ہیں۔ اون کو صرف پانی کی اُجرت اور خدمتگاروں کو ایک یا دو پنسیاں دینی پڑتی ہیں۔ مردوں کی نسبت عورتیں حمام میں زیادہ جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ تین تین چار چار سے بھی زیادہ تعداد میں اکھٹی ہوکر جاتیں اور اپنے بچوں کو ساتھ لاتی ہیں۔ آٹھ یا نو سال سے زیادہ عمر کے لڑکے زنانہ حماموں میں نہیں آسکتے۔ اور اس عمر سے چھوٹے لڑکے اگر لمبے قد کے ہوں تو حمام کی مہتمم جو سخت تندخو اور بدمزاج ہوتی ہے۔ اُنکو دروازہ سے باہر دھکیل دیتی ہے۔ وہ ایسے لمبے لڑکوں کو اکثر کہتی ہے۔ دو کیا تمہارا باپ بھی آیا ہے۔ لڑکوں کی مائیں بہتیرا کہتی ہیں۔ کہ عمر اسکی چھوٹی ہے۔ ویسا ہی قد لمبا ہے۔ مگر وہ ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

زنانہ حمام میں بڑی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ حوضوں میں جانے کے لئے اکثر لڑائی ہوتی ہے۔ شور و پکار اور لڑکوں کی چیخیں (جنکا اندر دم گھٹتا ہے اور باہر جانے کی کرتے ہیں) باہر سنائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مجمع سے متعلق جہاں بڑا شور و غل مچ رہا ہو۔ اور کئی اشخاص ایک ہی دفعہ بول رہے ہوں۔ ٹرکی میں ایک ضرب المثل مشہور ہوگئی ہے۔ کہ وہ یہہ جگہ تو زنانہ حمام بن گئی ہے۔ جب عورتیں حمام میں جاتی ہیں تو دن بھر وہیں رہتی ہیں۔ اور جس دن وہ جائیں۔ غریب خاوندوں کو رات کا کھانا میسر نہیں آتا۔

مرد حماموں میں پندرھویں روز غسل مکمل کرتے ہیں۔ مگر وضو کرنے کے لئے عموماً آتے رہتے ہیں۔ اور سردیوں میں تو اکثر وہیں وضو کرتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک

اس نے اپنے مسلمان ہمسایوں کو پانچ وقت کی نماز سے پہلے پانچ دفعہ ہاتھ۔ منہ اور پاؤں دھوتے اور اتنی ہی دفعہ حمام میں جاتے دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ اس نے اس بات کو مذہبی جوش پر محمول کیا۔ مگر جب وہ مصر کی طرف گیا اور وہاں غلیظ و گندے ملاح اور عرب دیکھے تو اس بات کے ماننے پر مجبور ہوا۔ کہ رسول صلعم وضو کا قاعدہ جاری رکھنے میں بالکل حق بجانب تھے۔

ترکی کے حمام بہت پرانے ہیں۔ اور چونکہ ترکی کے بہت سے قصبات میں کئی نسلوں سے مردم شماری میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بہت ہی کم نئے حمام تعمیر ہوئے ہیں۔ آجکل ترکی کے ذی وجاہت آدمیوں کا کوئی ہی ایسا نیا مکان ہوگا جس میں ایک یا دو کمرے ترکی حمام کے لئے وقف نہ کئے ہوئے ہوں۔ مگر پھر بھی متمول آدمی پرانے حماموں کی کثیف و غلیظ ہوا۔ اور ان میں کیڑے مکوڑوں کی کثرت کے باوجود ان میں غسل کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ پرائیویٹ مکانوں کے حمام گہ گاہ گرم کئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی حرارت ایک درجہ پر قائم نہیں رہتی یا تو وہ سخت گرم ہو جاتے ہیں۔ یا ایک حصہ اتنا گرم ہو جاتا ہے کہ دیواروں اور فرش کو چھونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا بالکل سرد رہتا ہو۔ وہ اشخاص جو سردیوں میں ان حماموں میں نہاتے ہیں۔ اکثر زکام میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔

پرانے ترکی حماموں میں ایک نئی بات یہ اختراع کی گئی ہے۔ کہ اکثر لوگ گرم پانی سے نہانے کے بعد سرد پانی سے نہاتے ہیں۔ خواہ ترکی حمام پرانے رومی حماموں کے نمونے پر بنائے گئے ہوں۔ خواہ ترکی کے بعض حمام یونانیوں کی یادگار ہیں۔ مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ترکی کے بڑے بڑے شہروں میں تمام عمدہ اور اعلے حمام عثمانیوں نے چند صدیوں پیشتر بنائے تھے اور اگرچہ ان میں سے بعض اب پرائیویٹ اشخاص کے قبضہ تصرف میں ہیں۔ مگر ابتدا میں ان کی آمدنی کا ایک حصہ مسجدوں۔ سکولوں۔ اور دیگر مذہبی و خیراتی انسٹی ٹیوشن کے لئے وقف تھا۔ قسطنطنیہ میں پچھتر کے قریب پبلک حمام ہیں۔ (کتاب قسطنطنیہ جلد اوّل و دوم میں ان کا مفصل حال مندرج ہے۔ یہ کتابیں دفتر اخبار وطن

لاہور سے دستیاب ہوگی۔ مترجم)

میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ کہ مجھے ایک حمام میں علم ہوا۔ کہ میرے پیچھے محل کا ایک جاسوس لگا ہوا ہے۔ ایک رات مجھے پیرا کے ایک پبلک حمام میں چند دوستوں کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ واضح رہے کہ ٹرکی میں چند حمام رات کو کھلتے ہیں۔ پس بہت سے نوجوان دن بھر کے کام سے فارغ ہوکر اسوقت ان میں جاتے ہیں وہاں کھاتے پیتے اور ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ اور غسل کرنے کے بعد پلنگوں پر جو حمام کے سرد حصہ میں بچھے ہوتے ہیں۔ آرام کرتے ہیں۔ اس رات میں بڑا خوش خوش تھا۔ ہماری دوستوں کی پارٹی کے علاوہ حمام میں چند اور اشخاص بھی تھے۔ ایک پستہ قد اور نحیف الاندام شخص گرم کمرہ کے مرکز میں سنگ مرمر کی اونچی نشست پر میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے میرے ساتھ سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ چونکہ حمام میں لیموں کا رس چوسنے کا عام رواج ہے۔ اس شخص نے مجھے ایک لیموں دیا وہ بظاہر [illegible] تھا۔ پہلے تو معمولی باتوں پر گفتگو کرتا رہا۔ پھر اچانک ہی خلاف توقع اپنا سلسلہ کلام دوسری باتوں کیطرف پھیر دیا۔ ملک کے اندرونی حالات پر مجھ سے ریمارک کرانے میں کامیاب نہ ہوکر اس نے خود ملکی معاملات پر اس طرح بحث شروع کی۔ جو موجودہ عہد میں خلاف معمول تھی۔ اپنے ملک کے بہت سے نوجوانوں کیطرح میں بھی جاسوسوں کی طرف سے کھٹکتا تھا۔ پس میں نے ہر ملکی معاملہ پر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ میں اس قسم کے معاملات میں کوئی انٹرسٹ ہی نہیں رکھتا۔ معذوری ظاہر کرنے کے باوجود وہ شخص میرے درپے رہا۔ اور کہا۔ کہ آپ تو یورپینوں سے واقف ہیں۔ آپ ضرور ملکی حالات سے باخبر ہوں گے۔ اس کے اس ریمارک سے میں تو چونک پڑا۔ وہ میرے حالات سے کسی قدر آگاہ تھا۔ اگرچہ اس شخص کا رویہ اشتعال انگیز تھا۔ اور اگرچہ میں جسمانی طاقت میں اس سے زیادہ تھا۔ تاہم میں نے اسکو حمام سے باہر سے دھکیلنا اور جوتوں سے مارنا خلاف مصلحت سمجھا۔ کسی محل کے جاسوس کو مارنا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ کیونکہ وہ ہز امپیریل مجسٹی کے مخبر ہوتے ہیں اگر میں آپے سے باہر ہوکر اس شخص کو مارتا۔ تو ضرور بالضرور کسی پولیٹیکل الزام

میں ماخوذ کیا جا کر جلا وطن کر دیا جاتا۔ اور وہ شخص اپنے آقائے نامدار سے انعام واکرام پاتا۔

میں نے نیند کا بہانہ کر کے اونگھنا شروع کر دیا۔ تاکہ اس بلا سے چھٹکارا پاؤں۔ مگر مجھے نیند نہ آئی۔ اور میں ساری رات ہی نہ سویا۔ میں نے اپنے ہمراہیوں کو حمام کی سرگذشت نہ سنائی۔

علی الصباح حمام سے روانہ ہوتے ہی میں سیدھا اپنے انگریز دوست کے پاس گیا۔ جو مجھے غمگین اور سنجیدہ خاطر دیکھ کر وہ پوچھنے لگا۔ "حسیون خیر تو ہے۔ آپ کے مزاج کیسے ہیں۔" میں نے سارا ماجرا سنا کر درخواست کی کہ خدا کے واسطے مجھے اس لعنتی ملک سے جس طرح ہو نکالیے۔

وہ بوڑھا انگریز جنٹلمین نہایت جوش سے کہنے لگا۔ کہ تم بڑے غدار ہو۔ کہ اپنے ملک کو لعنتی کر کے پکارتے ہو۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ میں غدار نہیں۔ یہ اس خاندان کا نونہال ہے جس کے فرزندوں نے ٹرکی کی حفاظت میں اپنا لہو پانی ایک کیا ہے۔ صرف میں ہی نہ تھا کہ اپنے ملک کو خیرباد کہنے پر خوش تھا۔ صرف وہ ہزارہا نوجوان ترک ہیں۔ جو جلا وطنی کی مصیبت یا زنداں کے جور و ظلم میں مبتلا ہیں۔ ممالک غیر میں جانے کی کوششیں کرتے۔ بلکہ کئی ہزار ملازمان سرکار اگر موقع پائیں۔ تو ایک پل بھی اپنے ملک میں نہ رہیں۔ کوئی فرد بشر نہیں جو جاسوسوں سے امن میں ہو۔ یا ان کے سنگین الزاموں سے بچا ہو۔ یہ لوگ غدار نہیں۔ نہ ہی انقلاب پسند ہیں۔ وہ قانون کے تابع۔ تعلیم سے بہرہور۔ وطن کی محبت میں سرشار ہیں۔ اگر انصاف اور ایمانداری سے حکومت کی جائے تو وہ آزاد گورنمنٹ کی بھی خواہش نہ کریں گے۔ مگر وہ تو ایک شخص کے جور و ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جس نے ملک کو ان کے لئے نمونہ جہنم بنا رکھا ہے۔

پندرھواں باب

انگلستان کیطرف فراری

ایک تجارتی جہاز پر سوار ہونا۔ چالیس پونڈ کا۔ اہل جہاز۔ گفتگو کرنے میں وقت۔ انگریزی کھانا۔ کافی اور سوڈا۔ جبرالٹر۔ انگریزی سپاہی کا پہلا اثر۔ ہل سے لندن کو۔ زنانہ التفات کی ایک مثال۔ زمین کے نیچے غرق ہو گیا۔ آو یا ترکی سفیر سے ملاقات۔ انصاف کا وعدہ لیکر ملک میں ترکی واپس جاؤں۔

جب میں نے شب گذشتہ کی سرگذشت اپنے انگریز دوست کو سنائی اُس نے وعدہ کیا ”میں دیکھوں گا۔ کہ آپ کو ملک سے کس طرح بھیجا جائے۔ اور آپ کو عنقریب بتاؤں گا۔ کہ اس معاملہ میں میں کیا کر سکتا ہوں“ چند روز بعد اُس نے مجھے بلا بھیجا۔ میں گیا۔ اور اُس نے مجھے اطلاع دی کہ ”ایک اور انگریز مقیم، جس کا تعلق اُن سٹیمروں سے ہے۔ جو باسفرس میں سے ہو کر گذرتے ہیں اور بحر اسود کی بندرگاہوں اور انگلستان کے درمیان تجارتی اسباب لاتے لیجاتے ہیں۔ ایک کپتان کو کہکر آپ کے لئے جہاز پر بندوبست کر دے گا۔“ چنانچہ چند دنوں بعد ایسا ہی ہوا۔ میں اس موخر الذکر انگریز جنٹلمین کا نام نہیں بتاؤں گا وہ ابھی تک قسطنطنیہ میں ہے۔ اور اُس نے تاکید کی تھی کہ ”میرا نام نہ بتلانا۔“

اِس وقت میرے پاس صرف چالیس پونڈ تھے۔ ضبط شدہ زمین سے مزید روپیہ ملنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ علاوہ بریں مجھے شرم آتی تھی کہ اپنی ماں سے مزید مدد مانگوں کیونکہ اب میں بڑی عمر [illegible]۔ اور خیال تھا کہ اب میری باری ہے۔ کہ اسکی مدد کروں۔ اور اُس کو ہر طرح آرام دوں۔ نہ یہ کہ اُس سے اُلٹی مدد مانگوں۔ اور تکلیف دوں۔ میں خیال کرتا ہوں۔ چالیس پونڈ کے بوتے پر سلطنت انگریزی کے دارالخلافہ کیطرف روانہ ہونے پر میں نے اُن لوگوں سے بھی بڑھ کر دلیری اور جسارت کی جو [illegible] ان سے

ساتھ وہاں آتے ہیں۔ کیونکہ وہ کم از کم انگریزی الاصل یا انگریزی بولنے والے تو ہوتے ہیں۔ اور میرا تو یہ حال تھا۔ کہ ایک مشرقی ملک سے آیا تھا۔ انگلستان میں نہ کوئی واقف تھا نہ آشنا۔ اور انگریزی زبان سے بالکل بے بہرہ تھا۔

تاہم میں نے اس بات کی چنداں پروا نہ کی۔ کہ میرا حشر کیا ہوگا۔ میں نے تو اپنے ملک کے دارالخلافہ سے انگلستان کیطرف روانہ ہونے میں عجلت اور سرعت کی۔ ولیس۔ میرا خیال تھا کہ انگلستان میں کچھ ہی پیش آئے مگر شخصی آزادی تو قائم رہے گی۔ میرا منشا تھا کہ جب تک ٹرکی کی حالت روبہ اصلاح نہیں ہوتی۔ انگلستان میں ہی رہوں گا۔ اور پھر قسطنطنیہ واپس آ جاؤں گا۔ یا اگر میں انگلستان میں نہ رہ سکا۔ تو انگریزی سیکھ کر مشرق کے انگریزی مقبوضات میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں گویا ایک طرح اپنے گھر میں ہی رہوں گا۔

۲۲ اپریل [illegible]ء کی صبح تھی کہ مجھے اطلاع ملی۔ کہ ایک انگریزی سٹیمر ابھی ابھی بحر اسود کے روسی بندرگاہ سے پہنچا ہے۔ اور آج ہی قسطنطنیہ سے روانہ ہو جائے گا۔ متذکرہ بالا انگریز جنٹلمین نے میری بابت جہاز کے کپتان کو کہا۔ اور اس نے وعدہ کیا۔ کہ اگر وہ پانچ پونڈ ادا کرے۔ تو سفر میں اُسکی ساری ضروریات کا خیال رکھا جائے گا۔ میں دنوں سے کسی انگریزی جہاز کے آمد کی انتظاری کر رہا تھا۔ [illegible] نے تمام کپڑے اور سفر [illegible] کاغذات [illegible] ایک [illegible] جہاز پر پہنچانے کو کہا۔ کیونکہ اِس [illegible] میں [illegible] نہیں کر سکتے تھے۔ بیٹی پہنچنے کے بعد میں قسطنطنیہ کا گھاٹ گذر کر ایشیائی ساحل پہنچ گیا۔ اور وہاں سے کشتی پر بیٹھکر انگریزی جہاز تک پہنچا۔ مجھے جہاز کا ٹھکانا پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ میرے پہلے ایشیائی ساحل کیطرف جانے اور پھر وہاں سے سٹیمر کو واپس آنے کی غرض یہ تھی۔ کہ خفیہ پولیس کے شک اور تعاقب سے محفوظ رہوں۔ کیونکہ میرے پاس کوئی پاسپورٹ (پروانہ راہداری) نہیں تھا اور

نہیں اگر چاہتا تو لے سکتا تھا۔ عثمانی رعایا کے بہت کم افراد کو ممالک غیر کی طرف جانے کے لئے پاسپورٹ دیا جاتا ہے۔ اور وہ بھی خاص خاص حالات میں۔ اعدمحل کی اجازت سے دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اُن دنوں میں پولیس سمندر کے جہاز کا نہایت احتیاط سے معائنہ کرتی تھی۔ مگر خوش قسمتی سے اُن تجارتی جہازوں کا اس قدر خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ جو یورپ کی بندرگاہوں کیطرف جانے والے ہوتے تھے۔ اگرچہ مجھے تشویش تو بڑی سخت تھی۔ مگر میں بغیر ہی دقت اور تکلیف کے جہاز پر جا پہونچا۔ اور اُس انگریز کو وہاں پہلے ہی موجود پایا۔ اُس نے میری پیٹی میرے حوالے کی۔ کپتان سے میرا تعارف کرایا۔ اور پھر الوداع کہہ کر ساحل کیطرف چل دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جہاز نے لنگر اُٹھایا اور روانہ ہوا۔

اس جہاز پر گندم بار تھے۔ اور اُس کو بل جاتا تھا۔ کپتان متوسط العمر اور جفاکش معلوم ہوتا تھا۔ جہاز پر اُسکی بیوی اور اُسکی بہن اُس کے ہمراہ تھیں۔ اور مجھ پر بڑی مہربان تھیں۔ ہم بڑے خوش خوش رہتے تھے۔ اور جہاز کا باورچی جو ایک آئرش تھا۔ بڑا زندہ دل شخص تھا۔ خاصکر مجھے اسطرح پر مخاطب کرتا تھا۔ کہ میں خیال کرتا تھا۔ کہ خوش باش کر رہا ہے۔ پس میں اور دوسرے اہل جہاز خوب قہقہہ مار کر ہنستے تھے۔ مگر بدقسمتی سے میں اُس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا کہ کیا کہتا ہے۔ میری انگریزی دانی کی کل کائنات یہ تھی کہ چند الفاظ سے زیادہ نہ جانتا تھا۔ وہ مجھ سے جب کبھی بات کرنا چاہتے۔ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیتے۔ اور میں بڑی [illegible] دیکھ دیکھ کر اسکا ترجمہ [illegible] کے زمانہ میں ایشیائے کوچک کے سکولوں میں کسی یورپین زبان کے پڑھانے کا انتظام نہ تھا۔ تاہم میں نے اپنی پیرس کی سکونت کے دوران میں ترکی زبان میں فرنچ گرامر کا مطالعہ کرکے کسی قدر فرنچ زبان سیکھلی تھی۔ اور میرا خیال تھا کہ اس زبان کے ذریعہ اگرچہ میں جانتا ہوں۔ اہل جہاز سے بات چیت کروں گا۔ مگر لطف یہ ہوا کہ اہل جہاز میں سے کوئی بھی فرنچ نہ جانتا تھا۔ جہاز پر میری بڑی تفریح یہ تھی۔ کہ میں

کپتان کی دو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں سے کھیلا کرتا۔ یہ لڑکیاں پاکیزگی صفائی اور صحت کی اعلےٰ نمونہ تھیں۔ اور ایک شخص انگلستان میں ایسے بچے بکثرت دیکھ سکتا ہے۔ ان خوبصورت ارمنی موہنی لڑکیوں سے میں دن کے کئی گھنٹے کھیل کر اپنا دل بہلایا کرتا۔ اور ان کو اسطرح خوش رکھنے سے جو میں اپنی دل لگی کی غرض سے کرتا تھا۔ ان کی خوبصورت اور خوش مو اماں بڑی خوش ہوتی اور اس اثنا میں یا تو کسی کتاب کا مطالعہ۔ یا جہاز کے افسروں سے ہنسی ٹھٹھے کرتی رہتی تھی۔ میں ان کی باہمی گفتگو کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر یہ معلوم کر لیتا تھا۔ کہ وہ اسکو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کپتان جو جہاز کا حصہ دار بھی تھا۔ مزے کی زندگی بسر کرنے والا آدمی تھا۔ اور ہم کو بہت عمدہ کھانا دیتا تھا۔ انگریزی کھانا جو میں نے جہاز پر پہلی دفعہ کھایا۔ اس کھانے سے مختلف معلوم ہوا۔ جو قسطنطنیہ کے بعض ہوٹلوں میں ملتا تھا۔ ترکی کھانوں سے بھی مختلف تھا۔

اگرچہ میں غیر ممالک میں رہنے کی وجہ سے۔ یورپین کھانوں کا عادی ہو گیا ہوں۔ مگر میں ابھی تک ترکی کھانوں کو نہایت ہی عمدہ اور نفیس خیال کرتا ہوں۔ اگرچہ جہاز کے کھانے سے متعلق مجھے شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔ اور وہ انگلستان کے ان کھانوں سے بدرجہا بہتر تھا۔ جو بورڈنگ ہوسٹل میں متوسط الحال کنبوں اور یتیموں کو ملتا ہے۔ تاہم میں اس کی دو باتوں کو نہیں پسند کرتا تھا۔ ایک تو کافی جو صبح اور شام کھانے کے ساتھ دی جاتی تھی۔ اور دوسرے سور کا گوشت۔

میرے لئے اس موٹے گوشت کو دیکھ کر سخت بدمزہ ہوتا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مذہب کی پابندی کے باعث میں اس گوشت کو اپنے سامنے پڑا دیکھ کر ڈرتا تھا۔ ہم میں شراب خواری ایسی ہی ممنوع ہے۔ جیسے کہ سور کا گوشت کھانا۔ مگر میں شراب کی قسم توڑ چکا ہوا تھا۔ اس گوشت سے نفرت کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ بچپن سے ہی یہ بات میرے ذہن نشین کر دی گئی ہے۔ کہ سور انتہائی نجس اور غلیظ ترین جانور ہے۔ چنانچہ یہ بات ابھی تک میرے

دل سے نہیں نکلتی۔ اور میں سور کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہوں۔ حالانکہ مجھے سور خور یورپینوں میں رہتے سہتے کئی سال ہو گئے ہیں۔

---

* بہت سے اشخاص جنہوں نے لیوانٹ کی سیر کی ہے۔ ٹرکی کافی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ میرے خیال میں اگر یہاں بھی ٹرکی طرز میں کافی تیار کی جائے۔ تو پسند خاص و عام ہو جاوے۔ اگر لیوانٹ کی کافی کیطرح کافی کو مزیدار و لذیذ کرنا منظور ہو۔ تو دانوں کو بھناتے ہی خوب باریک پیسو۔ پانی کو دیگچی میں ابالو۔ اگر چار پانچ پیالیاں بنانی ہوں۔ تو جب پانی ابلنے لگے۔ اُس میں پسی ہوئی کافی کے دو یا تین چمچ ڈالو۔ بعض آدمی کافی میں چینی ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ مگر اگر چینی ڈالنا ہو تو اُسی ابلتے ہوئے پانی میں ڈالو۔ اور جب تک وہ اچھی طرح گھل نہ جائے کافی نہ ڈالو۔ زیادہ میٹھی کافی اچھی نہیں ہوتی

جب ابلتے ہوئے پانی میں کافی ڈالو۔ تو دیگچی کو آگ سے اُتار لو۔ اور اس کو چمچہ سے خوب پانی میں حل کرو۔ اسکو پھر آگ پر رکھدو اور جب تک پانی پر جھاگ نہ آجائے۔ نہ اتارو۔ پھر اوسکو پیالی میں ڈالو۔ آہستہ آہستہ ڈالنا زیادہ مناسب ہے۔ دیگچی کو بیچ میں گاہ گاہ آگ پر رکھتے جاؤ۔ اسطرح پیالی میں ڈالنے سے زیادہ جھاگ پیدا ہوگی۔ اور جتنی جھاگ زیادہ پیدا ہوگی۔ اُتنا ہی ذائقہ زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی میں جب زیادہ لوگوں کے درمیان ایک سینی میں کافی کی بہت سی پیالیاں رکھی جاتی ہیں۔ تو حریص آدمی وہ پیالیاں اوٹھاتے ہیں جن میں جھاگ زیادہ ہو۔

پاسفرس سے روانہ ہونے کے گیارہ دن بعد ہم جبرالٹر (جبل الطارق)

یہاں جہاز کو چند گھنٹوں تک لنگر زن رہنا تھا۔ اِس سے فائدہ اُٹھا کر میں ایک ہسپانوی کشتی پر سوار ہو کر شہر کیطرف روانہ ہوا۔ شہر میں میں نے ایک عطر کی دوکان دیکھی۔ جس میں ایک بوڑھا عرب سفید عمامہ باندھے بیٹھا ہوا [illegible] روانگی کے وقت سے انگریزی زبان نہ جاننے کے سبب میں کسی سے

ں بات چیت نہ کر سکا تھا۔ وہ سب اس بات کا تو آرزو مند تھا کہ کوئی ایسا شخص
ملے جس سے بات چیت کر سکوں۔

میں نے اس لڑکے سے جب رخصت چاہا۔ اور مقام کے سلسلہ کلام شروع فرمایا تو
ں مجھے ہم کلام ہوتے ہیں وہ کچھ ہمیشہ سپاہیانہ خیال ہوتے۔ اس نے بھی جملہ سا کہا
سکو نہیں کہ جانتے ہیں ہم جو کچھ دینا چاہتے ہیں۔ تاہم جب اسکو اطمینان ہو گیا
وہ بے تکلف ہو گیا۔ اس سے سپاہیوں کی نسبت اچھا خیال ظاہر کیا۔ مگر انگریزی سپاہیوں
تعریف کی۔ اس شہر میں میں نے پہلی دفعہ انگریز سپاہی دیکھے۔ وہ قواعد کر رہے تھے
ں وردیاں نئی اور پاکیزہ تھیں۔ اور عام سے سپاہیوں کی وردیوں سے بہتر تھا
کہ وہ بہتر تھیں۔ مگر میرا خیال ہے۔ ترکی سپاہیوں کی قطع وضع انگریزوں سے
بڑھ کر سپاہیانہ ہے۔ مگر میں ترکی کے چند سپاہیوں کو جو ادھر ادھر
ت کر رہے تھے۔ دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ بڑے جفاکش۔ سرد و گرم سے آب و ہوا
عادی۔ اور مستقل مزاج معلوم ہوتے تھے۔ ان کی بابت یہ تو میں نے پہلے
سنا ہوا تھا کہ برطانیہ اعظم کی بحری طاقت کی دھاک بٹھانے میں انہوں نے
ں انتھک کوشش و کوشش کی ہے۔ مگر اب جوان بہادر ملاحوں کو بچشم خود دیکھا
سا سنا تھا اس سے بڑھ کر پایا جبل الطارق کے دو تین اور مقامات دیکھکر
جہاز کیطرف واپس ہوا۔ اور ایک گھنٹہ بعد وہ انگلستان کیطرف روانہ ہوا۔
ڈاک جہاز بڑے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ چنانچہ یہ جہاز جبل الطارق سے سات
ن بعد پل پہونچا۔

رستے کہ ہمارا جہاز بوقت شام پل پہنچا۔ مگر اگلی صبح تک وہ بندر میں داخل
ہو سکا۔ دوسرے دن تڑکے تڑکے میں جہاز سے اترا۔ اور کپتان کی خسر زادی
براہ مہربانی اسٹیشن تک میرے ساتھ آئی۔ اور لنڈن کیطرف جانیوالی ٹرین
سوار کرا دیا۔ راستہ کے مناظر میں سبزہ کی خوبصورتی و خوشنمائی زراعت
عمدہ حالت۔ اینٹوں اور پتھروں سے ریلوں کی متواتر آمدورفت۔ اسٹیشنوں
چہل پہل اور قوموں و انسانی ستاروں کے کئی آثار۔ جو سب کے سب میرے
لئے ایک عجیب منظر تھے۔ دیکھ کر مجھے تعجب آمیز مسرت ہوتی تھی۔ تاہم جس

معلوم کر لیا کہ [illegible] سے انگلستان اور ایشیائے کوچک کی وسیع [illegible] ملک میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مگر اٹھارہویں صدی کا ایک انگریز قبر سے اٹھکر آئے اور کچھ دیکھے۔ جو میں نے اُسدن دیکھا۔ تو اپنے ملک کی ترقی و تمول دیکھکر وہ مجھسے بھی زیادہ متعجب ہوگا۔ ایک بہت بڑے اسٹیشن پر میں نے دریافت کیا کہ کیا لندن آ گیا۔ ایک جگہ میں نے اپنی بساط کے مطابق چند الفاظ کا جو میں جانتا تھا۔ ایک فقرہ بنایا۔ اور ایک متوسط العمر اور خوش پوش لیڈی سے جو میرے سامنے بیٹھی تھی سوال کیا۔ میرے سوال کا مطلب یہ دریافت کرنا تھا کہ آیا ابھی لندن دور ہے۔ اس لیڈی نے میرا مطلب نہ سمجھا۔ اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر کر کہنے لگی فارینر (اجنبی) مجھکو اُسکا یہ لفظ بخوبی یاد ہے۔ مجھکو لیڈی کی اس ناشائستہ حرکت پر سخت افسوس ہوا۔ اُس نے یہ تو بالکل ٹھیک کہا کہ فارینر ہے مگر میں اُن فارینرز (اجنبیوں) میں سے نہیں تھا جو اس قدر تنگ خیال ہیں کہ ایک یا زیادہ افراد کی بدسلوکی سے ناراض ہو کر ساری قوم کو ہی بُرا بھلا کہنے لگ جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اس لیڈی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ میں ترک تھا۔ ورنہ اپنے ہمجنسوں کیطرح وہ مجھکو اُن ترکوں میں سے خیال کرتی جو پست قد سیاہ فام اور مریل ہوتے ہیں۔ اور سرخ ٹوپی یا عمامہ سر پر رکھتے ہیں۔ اور گاہ گاہ بلاد مشرق کے کسی ایک گوشہ سے اس ملک میں آتے رہتے ہیں۔ اگر اسکو اس بات کا علم ہو جاتا کہ میں اصلی ترک اور اس محسود قوم کا ممبر ہوں جس کے برخلاف اُسکا دل تعصبات سے معمور ہے۔ تو میرا خیال ہے کہ غصہ سے اور بھی بدسلوکی کرتی۔

ایک اور بڑا اسٹیشن آیا۔ اور ٹرین کھڑی ہو گئی۔ اور ہر ایک شخص گاڑی سے باہر نکل آیا۔ میں نے دل میں کہا۔ یہی لندن ہوگا۔ گاڑی کی کھڑکی کے سامنے ایک قلی آیا۔ گاڑی کے اندر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی اور پھر میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ میں نے اُس سے پوچھا۔ لندن۔ اُس نے جواب دیا۔ ہاں لندن۔ بس میں گاڑی سے باہر نکلا۔ اور اُس نے میری پیٹی اُٹھالی

اب میں کیسے جا رہا تھا؟ میں اُس جگہ کیطرف جا رہا تھا جس کا نام میری پاکٹ بک میں اولمپیا لکھا تھا۔ چند ہفتہ قبل

اسپارٹی جنٹلمینوں نے لندن میں قسطنطنیہ کی نمائش کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور انہوں قسطنطنیہ کیطرف ایک ایجنٹ چند ترکوں کو لانے کے لئے بھیجا۔ کہ ملاؤں کا کام کریں گے۔ اور نمائش میں دیگر کام انجام دیں گے۔ یہ ایجنٹ جس کو میں نے قسطنطنیہ دیکھا تھا۔ ایک ترک بھی لانے میں کامیاب نہ ہوگا۔ کیونکہ سلطان کے حکم کے بموجب پولیس کسی ترک کو ٹرکی سے باہر نہیں جانے دیتی۔ لہذا اس ایجنٹ نے چند یونانی نوکر رکھے۔ اور چند یہودی اولمپیا میں بھی ریزوری سامان کے لئے میزیں امانت کرنے اور دیگر خدمات انجام دینے کے لئے آگئے۔ (قدیم یونانیوں میں رواج تھا کہ ہر چار سال کے بعد اپنے قومی کھیلوں کی نمائش کرتے تھے۔ اس چار سال کے عرصہ کو اولمپیڈ اور جائے نمائش کو اولمپیا کہتے ہیں۔ مترجم)

میرا خیال تھا کہ ان اشخاص میں کوئی ایک کسی میری نمائش کا انتظام کردیگا میں نے کنگ کراس سٹیشن پر قلی کو کہا "اولمپیا" اس نے اپنا سر ہلایا۔ اور کہا۔ "وہاں کنسنگٹن" پھر اس نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور ہم ایک زمین دوز راستہ میں گھسے۔ اور اس نے مجھے ایک ٹرین پر بٹھایا۔ میرا خیال ہے۔ یہ ٹرین براہ راست اولمپیا کو جاتی تھی۔ زمین کے نیچے میں اپنا راستہ بھول گیا۔ کئی سٹیشنوں پر میں اترا۔ کئی ٹرینیں بدلائیں۔ اور ہر ایک کا کرایہ بھرا۔

اب تو تماشہ کا وقت ہوگیا۔ اور ٹرینیں لوگوں سے بھر گئیں۔ میں نے کنسنگٹن کے نام کو جو قلی نے بتایا تھا۔ کنسنگٹن کے نام سے ملا دیا۔ مجھے ہر سٹیشن پر گاڑی سے اترنے اور چڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اور پیٹی کا بوجھ تو اور بھی زحمت دیتا تھا۔ بہت سے لوگ میری اس بیوقوفانہ حرکت پر ہنستے تھے۔ مگر جو شریف تھے۔ مدد دینے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ان کی کوششیں ایسے بے زبان آدمی کو کیا فائدہ پہنچا سکتی تھیں۔ ایک اسٹیشن پر میری فرانسیسی زبان کی واقفیت نے میری مشکل آسان کردی۔ میں نے ایک لڑکا اجرت پر اپنے ساتھ لیا۔ اور آخر اڈیسن روڈ سٹیشن پر پہنچا۔ اولمپیا کے باہر میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ ترکی ٹوپی پہنے ہے۔ اور عجیب قسم کا ایشیائی لباس کہ میں نے ٹرکی میں کبھی نہ دیکھا تھا پہنے ہوئے ہے۔ میں نے اس شخص سے ترکی زبان میں گفتگو کی۔ اور اس سے پوچھا

سے معلوم ہوا کہ وہ ترکی یہودی ہے۔ اس شخص کی مدد سے میں نے ایک کمرہ کرایہ پہ لیا۔

لنڈن میں پہنچنے کے دوسرے دن میں نے سلطان کو ایک خط لکھا۔ اور اُس میں مفصل طور پر رقم کیا۔ کہ اُسکی عدالتوں میں کئی سال تک ضبط شدہ جائداد کے لئے چارہ جوئی کرکے میں اور میرے لواحق برباد ہو گئے ہیں۔ ساتھ ہی التجا کی۔ کہ ایک ایراد (فرمان) جاری کرے کہ اگر سارے حقوق نہیں دیتا ہے۔ تو کم از کم اُس جائداد کی آمدنی تو دلا دے۔ جو اثنائے مقدمہ میں جمع ہوتی رہی ہے۔ اور جس کو اُس کے افسر [illegible] دبائے بیٹھے ہیں۔

میں نے اس اپیل میں شاہی فرمانوں اور مقدمہ کی قانونی دستاویزات پیش کر دیا۔ اور اپنے دعوے پر مضبوطی سے قائم رہا۔ پندرہ دن کے بعد جب مجھے عثمانی سفارت گاہ میں بلایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ میری درخواست کا کیا نتیجہ ہوا ہے۔ مرحوم رستم پاشا جو اُس وقت دربار لندن میں ترکی سفیر تھا۔ مجھے میری حیثیت کے خلاف نہایت خندہ پیشانی سے ملا۔ یہ واقعہ اُس زمانہ کا ہے۔ جبکہ سلطان کو سخت فکر و تردد دامنگیر ہو رہا تھا۔ کہ اُسکی ناراض رعایا کے افراد یورپ میں انقلابی کمیٹیاں بنا کر سلطنت [illegible] کے لئے شورش بپا کرا دیں۔ میں اصلاحیں نافذ کرنے [illegible] دار الخلافہ اور ان شخصوں کا تو خاص کر کھٹکا تھا۔ جو برطانیہ اعظم میں آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں اس ملک کی گورنمنٹ اور سلطان میں دوستانہ تعلقات قائم نہ تھے۔ سفیر نے مجھ سے انگلستان آنے کی غرض و غائت دریافت کی۔ اور میں نے اس کو بتایا۔ کہ محض انگریزی زبان سیکھنے اور بیرونی دنیا کا تجربہ حاصل کرنے آیا ہوں۔ اور یہ بات بعد میں مجھے اپنے ملک میں بڑا فائدہ دے گی۔ میں نے کہا میری بڑی خواہش تو یہ ہے کہ مجھے میرا روپیہ دیا جاوے۔ تاکہ میں با فراغت تعلیم پا سکوں۔ بہتر ہے سفیر نے کہا۔ تمہاری عرضی پر غور کیا جاوے گا۔ اور اگر تم سلطانی [illegible] واپس چلے جاؤ۔ تو تمہیں ایک عہدہ پر مامور کیا جاوے گا۔ میں نے اس آخری جملہ کو منظور کرنے سے انکار کیا۔

سولہواں باب

واپسی اور دوبارہ فراری

سلطان کا دربار انگلستان میں عیسائی سفرا مقرر کرنا۔ مجھے واپس جانے کی تاکید۔ بدیہہ بدصحت کا سوال۔ میں قسطنطنیہ واپس جاتا ہوں۔ یلدز محل میں۔ پرائیویٹ تنخواہ اور عہدہ۔ جاسوسی کرنے کا مشورہ۔ تنبیہ۔ خلاف ورزیوں کے سبب فراری کی کوشش۔ میری تجویز۔ انگریزی قونصل خانہ میں اپنے آپ کو ملاح لکھنا۔ جہاز پر بغیر کسی اسباب کے۔ تیرا بخیر و عافیت لیورپول پہونچنا۔

بیس دن کے قریب گذرے ہوں گے۔ کہ پھر مجھے سفارت گاہ میں بلایا گیا۔ رستم پاشا نے کہا۔ کہ ہز میجسٹی کی خواہش ہے کہ تم واپس جاؤ۔ اور اسبات کا عملی ثبوت دو۔ کہ تم سلطان کے برخلاف کسی سازش میں شریک نہیں تھے۔ اور اگر تم نے اپنی بے گناہی ثابت کردی۔ تو تمہیں شاہانہ انعام و اکرام سے مالامال کیا جاوے گا۔ علاوہ بریں اُس نے یقین دلایا کہ جب میں چاہوں یورپ کیطرف آسکتا ہوں۔ یہ آخری الحقیقت میری خودداری کے آگے ایک اپیل تھی۔ اور اگرچہ میں ایک معمولی آدمی تھا۔ مگر اب میں خیال کرنے لگا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بوڑھے ڈپلومیٹ نے اس امر کے منظور کرنے کی پرزور تاکید کی۔ میں نے اسکو کہا۔ اسبات کی کیا ضمانت ہے کہ وہاں پہنچنے پر مجھ سے بدسلوکی نہ کیجائے گی۔ اور یہ کہ جب میں چاہوں یورپ آسکوں گا۔ اُس نے مجھ سے پختہ وعدہ کیا کہ میری درخواستوں کو شرف قبولیت بخشا جائے گا۔ یہ پاشا عثمانی یورپین تھا۔ مذہب اُسکا رومن کیتھلک تھا اور ایک جنٹلمین مشہور تھا۔ اگر وہ لیونٹ کا دیسی عیسائی ہوتا۔ تو میں اُس کے وعدوں پر کبھی یقین نہ کرتا۔

اس ضمن میں یہ بات بتلانی بے محل نہ ہوگی کہ بہت سے سالوں سے انگریزی دربار کے ترکی سفیر ترکی رعایا کے عیسائیوں میں سے مقرر کئے جاتے ہیں۔

ہیں۔ سلطان کے معتقدین بیان کرتے ہیں۔ کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے مسلمان سفرا کی تقرری پر اعتراض کیا تھا۔ یہ بات دیدہ دانستہ اس غرض سے پھیلائی ہے۔ کہ مسلمانوں کو خیال پیدا ہو جائے کہ انگریز اسلام کے دشمن ہیں۔ میرے خیال میں اسکی وجہ یہ ہے کہ اس ملک کے بعض اندھے پولیٹیشن آئے دن شور مچاتے رہتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کے اعلےٰ عہدوں پر عیسائی مامور ہونے چاہئیں۔ سلطان ان کو جتلانے کی غرض سے کہ جب وہ ایسے ڈپلومیٹک عہدوں پر عیسائی مقرر کر دیتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ دیگر ذمہ واری کے عہدوں پر نہ کرتا ہو۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ پہلے دربار لندن میں مسلمان سفیر مقرر ہوتے رہے ہیں۔ (پہلا ترکی سفیر آغا افندی تھا۔ وہ مسلمان تھا اور سنہ ۱۷۹۳ء میں مقرر ہو کر آیا تھا۔

رستم پاشا کی دوسری ملاقات کو پندرہ دن گذر گئے۔ اور اس اثناء میں میں سوچتا رہا کہ اگر واپس گیا تو کیا بنے گی۔ اور اگر لندن میں رہوں تو کیا کروں۔ اتنے میں میں بیمار ہو گیا۔ روپیہ ختم ہونے پر آ گیا۔ ملازمت ملنے کی کوئی امید نہ تھی اپنے رشتہ داروں سے مدد پہنچنے کی کوئی توقع نہ ہو سکتی تھی۔ پس میں نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے خیال کیا۔ اب تو موقع ہے۔ آئندہ خدا جانے کیا ہو۔ چونکہ سلطان مجھے جانتا ہے۔ میں گورنمنٹ سے اپنا روپیہ لے سکتا ہوں اور انگلستان واپس آسکتا ہوں۔ مگر مجھے میرے خیال نے مغالطہ میں ڈالا۔ یہ کام صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو قضا و قدر نے اس کام کے لئے موزوں بنایا ہو۔ قسطنطنیہ پہنچ کر مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ دھوکہ کی ٹٹی میں شکار کرنے میں ماہر جیسا کہ عبدالحمید ہے۔ بھلا اسکو کون دھوکہ دے۔ جب میں ترکی سفارت گاہ میں گیا اور کہا کہ میں واپس جانے پر تیار ہوں۔ تو سفیر نے قسطنطنیہ تار دیا۔ اور تین دن میں منظوری آگئی۔ بہتر پونڈ کی رقم آئی۔ اور مجھ کو ٹامس کک کمپنی کا اورینٹ ایکسپریس ڈاک کا ٹکٹ ملا۔ اور ٹرین کے ذریعہ سے قسطنطنیہ روانہ ہو جاؤں۔ اگست ۱۸۹۹ء کے آغاز میں انگلستان سے روانہ ہوا۔ راستہ میں دو ہفتہ پیرس۔ چند یوم ویانا۔ بڈاپسٹ میں ٹھہرا۔ بوڈاپسٹ اُن لوگوں کا صدر

مقام ہے۔ جو ترکوں کے ہم نسل ہیں۔ اور کئی پشتوں تک اُن کے زیر فرمان رہے ہیں۔ جب میں قسطنطنیہ پہنچا تو پولیس افسروں نے نہایت سختی سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔ کہاں سے آتے ہو۔ کہاں جاؤ گے؟" میں نے کہا "میں سیدھا شاہی محل کو جاؤں گا۔" اس پر انہوں نے مجھے سلام کیا۔ اور میں کسی قدر اطمینان کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آیا۔

میں بلا کے منہ میں جا رہا تھا۔ اب میں کُلّی طور پر اُس مطلق العنان بادشاہ کے رحم پر تھا۔ جو اپنی عثمانی رعایا پر اپنے نرالے ڈھنگ سے حکومت کرتا ہے۔ اور میں اُن چند اشخاص میں سے ایک تھا۔ جو اُسکی اصلی تہ کو پہنچ چکے ہیں۔ اور اُس سے دلی نفرت رکھتے ہیں۔ یلدز محل میں میں خوف اور ڈر سے کانپ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اسی محل میں ہزارہا لوگ ینگ ترک ہونے کی پاداش میں قید کئے گئے۔ ان پر جرح اور قدح ہوئی۔ انکو مارا گیا۔ اور پھر جلا وطن کیا گیا۔ جب میں محل میں اس فکر میں غوطہ زن تھا کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ سلطان کا ایک معتبر درباری فائق بے جو بڑا بدنام ہے ہز ہائینس کا زبانی پیغام لے کر میرے پاس آیا۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ میں نے سلطانی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اپنے ملک میں اُس ملک سے واپس آ گیا۔ وہ جو ترکی کا دشمن ہے اور خلافت کے برخلاف سازش کرتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ یہ لفظ سلطان کے تھے۔ یا اس درباری کے اپنے۔ سلطان نے مجھے بیس پونڈ بطور جیب خرچ بھیجے۔ اور گھر جا کر آرام کرنے کی اجازت دی۔ یہ ظاہر مہربانی زہر قند کا حکم رکھتی تھی۔ اور خواہ میں کیسا ہی بیوقوف کیوں نہ تھا۔ میں تاڑ گیا۔ یہ اچھا شگون نہیں ہے۔ جب میں محل سے رخصت ہونے لگا درباری نے مجھے حکم دیا کہ دو لوگوں سے زیادہ خلا ملا نہ کرنا۔ اور جہاں تک ہو سکے علیحدگی اختیار کرنا۔" پھر کہنے لگا "دو دن کے بعد آ کر مجھے ملنا۔" محل سے میں ہوٹل کیطرف گیا۔ اور چند کمرے کرایہ پر لئے۔ اب میں اپنے لواحقین اور احباب سے ملتے ہوئے ڈرتا تھا۔ قسطنطنیہ جاتے ہوئے اُن میں سے چند کو ملتا۔ مگر ہم ایک دوسرے کو سلام کر کے جدا ہو جاتے۔ کیونکہ وہ بھی جاسوسوں سے ڈرتے تھے۔ کہ مبادا رپورٹ کر دیں۔ ان کو میرے انگلستان بھاگ جانے کی خبر تھی۔ اور اس لئے مجھ سے ملتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس تنہائی کی حالت میں رہنا کانٹوں پر لوٹنے سے کم نہیں تھا۔ مگر

میں اپنے احباب اور موافقوں کو مل نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ایک ظالم نے منع کر رکھا تھا۔ حکم کی تعمیل کرنے کے لیئے میں یلدز محل کی طرف گیا۔ اور اس چیمبرلین سے ملا۔ اُس نے شاہی الطاف و اکرام کا اظہار کرنے کے لئے بیس پونڈ ادا کر دئے۔ اور کہا "تمہیں ہر ماہ۔ اتنی رقم بطور پرائیویٹ تنخواہ (وظیفہ) ملا کریگی۔" پھر میرے نزدیک ہو کر دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ "ہمارے مولا، ہمارے آقا، ہز مجسٹی نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ تم کو بول کہ اگر تم نے پولیٹکل حالت سے متعلق کوئی بات سنی ہو۔ تو اسکی رپورٹ قلمبند کر دیا"

اس حقیر تجویز کو سنکر میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ بیس پونڈ ماہوار تنخواہ دیکر سلطان مجھے محل کا جاسوس بنانا چاہتا تھا۔ اگر میں انکار کرتا۔ تو موت حاضر تھی۔ میں میں نے درباری کو کہا "چونکہ مجھے لوگوں سے ملنے جلنے کی ممانعت تھی۔ میں نے کوئی ضروری بات نہیں سنی" اس نے جواب دیا "یورپینوں سے ملنے میں کوئی ہرج نہیں" اس وقت تو میں اس درباری کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھکر اُس درباری نے کہا "چونکہ تم قانون کے گریجوایٹ ہو۔ وزیر عدلیت عامہ کو حکم دیا جائیگا۔ کہ تمہیں قسطنطنیہ کی عدالتہائے فوجداری کا ڈپٹی پراسیکوٹر مقرر کر دے" میں نے جان بوجھ کر سلطان کے اُن وعدوں کا ذکر تک نہ کیا۔ جو اُس کے سفیر نے لنڈن میں کئے تھے۔ اور وہ یہ تھے۔ میری جائیداد کی آمدنی میرے حوالے کیجائیگی۔ اور یورپ واپس آنے کی اجازت دی جائیگی۔ میں نے یورپ آنے کی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ چند دنوں بعد میں ایک خاص شاہی فرمان کے رُو سے ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل مقرر کیا گیا۔ اگر میں انگلستان نہ آیا ہوتا۔ تو مجھے اس سے ادنےٰ اسامی بھی کہیں نہ ملتی۔ خود میں مہینوں تک اُس کے لئے سر ٹپکتا رہتا۔ سنٹرل عدالتوں میں بارہ کے قریب ڈپٹی اور اسسٹنٹ پراسیکیوٹر (سرکاری وکیل) ہیں۔ اور اُن کو ۸۰ پونڈ سالانہ ملتے ہیں۔ اُن کو چنداں کام نہیں ہوتا۔ چونکہ میرے افسر مجھے محل کا آدمی خیال کرتے تھے۔ وہ مجھے دفتر میں حاضر ہونے پر مجبور نہ کرتے تھے۔ اور میں کچہری جانے کی چنداں پروا نہ کرتا تھا۔ میں ہر وقت سلطان کے چنگل سے رہائی پانے کی تجویز میں مصروف رہتا تھا۔

اُس وقت میں کہ مجھ پر ہز مجسٹی الطاف شاہانہ مبذول فرما رہے تھے۔ اور

سرکاری عہدہ عنایت فرما رکھا تھا۔ اور محل کی جاسوسی کرانے کے لیے گرانقدر پرائیوٹ تنخواہ مرحمت فرماتے تھے۔ اُن کے جاسوس برابر میری نگرانی کرتے تھے۔ ہر وقت مجھے زیر نظر رکھا جاتا۔ اور سابق جاقورہ (جاسوسوں) میں سے کوئی نہ کوئی میرے ساتھ آ کر بات چیت کرتا۔ اور پھر دو تین ملکر میری ضیافت بھی کرتے۔ میں نے اپنے انگریز دوست کو ساری سرگذشت سنائی۔ اُس نے مجھے سخت لعن طعن کیا اور کہا "تم میں ذرا بھی دور اندیشی نہ تھی۔ کہ ترکی میں آ گئے۔ اور اگر انگلستان سے چلا ہی آنا تھا۔ تو مصر میں آتے جو ہونا تھا سو ہو لیا۔ اب اُس پر افسوس کرنا فضول ہے" اب میری بڑی خواہش تھی کہ بھاگ جانے کا کوئی موقع ملے۔ میرا دوست کسی ایسے موقع کے ملنے سے مایوس تھا۔ اور اُسکا خیال ٹھیک ہی تھا۔ اُس نے کہا "بہ نسبت سابق اب تمہاری نگرانی زیادہ احتیاط و ہوشیاری سے کی جاتی ہوگی۔"

جب صورت حال ایسی تھی۔ ایک صبح ایک سوار قاصد کے ذریعہ میری طلبی محل میں ہوئی۔ مجھے فی الفور جانا پڑا۔ اور میں نے اُسی درباری سے ملاقات کی۔ جو دو سابقہ موقعوں پر شاہانہ الطاف و اکرام کی اطلاع مجھے دے چکا تھا۔ اس دفعہ وہ سرد مہر و متین سا معلوم ہوتا تھا۔ اور میں بیٹھا ہی تھا۔ کہ کہنے لگا "مجھے تعجب ہے تم ہمارے آقائے نامدار حضرت خلافت پناہی کے احسانات کا شکریہ اس طور پر ادا کرتے ہو"۔ جب میں نے دریافت کیا۔ میرا قصور کیا ہے۔ تو اُس نے کہا "مجھے رپورٹ موصول ہوئی ہے۔ کہ تم سرکاری راز پیرا کے یوروپینوں کو بتلاتے ہو"۔ اُس نے مجھے رپورٹ دکھائی۔ (جو غالباً کسی جاسوس کی ہوگی) مگر دستخط کو انگوٹھے سے چھپائے رکھا۔ میں نے خط دیکھکر فوراً پہچان لیا۔ یہ کسی کی رپورٹ ہے۔ وہ شخص جس نے مجھے دو دن پیشتر دعوت دی تھی۔ میں اس امر کے متعلق بالکل مطمئن ہو گیا کہ یہ رپورٹ مجھ کو کبھی نہ دکھائی جائے گی۔ اُس درباری نے مجھے تنبیہ کی کہ "آئندہ سلطان کی گورنمنٹ کے راز اجنبیوں کو کبھی نہ بتانا" اگرچہ اسوقت میری سلامتی محض خطرہ میں تھی۔ تاہم میں نے اپنے حواس کو بجا رکھا۔ اور نہایت دلیرانہ طور پر کہا۔ صرف آپ ہی ایک درباری ہیں۔ جن سے مجھے شرف حاصل ہے کیا آپ مہربانی کر کے بتلائیں گے۔ کہ آپ نے کون سے راز مجھے بتائے۔ کہ

میں نے پورے [illegible] کو سنا اُسے [illegible] سے دو [illegible] کیا۔ اور [illegible] دیکھ کر مجھے ایک گونہ تسلی ہوئی۔ ہم دونوں نے طریق میں ایک دوسرے سے وداع ہونے جب ملنے لگا۔ تو اُسنے کہا "یاد رکھو۔ تمہاری پرورش تو [illegible] دن بعد ملنے والی تھی اُن سے اُسکا مطلب اُن میں پونڈ دینے سے تھا۔ جو اُسنے اس شرط پر کہ میں جاسوسی کا خفیہ کام کروں۔ دینے کا وعدہ کیا تھا۔

نہایت رنجیدہ و مغموم میں پیدل گھر کی طرف واپس آیا۔ اور ترکی کافی کی آدھی پیالی نوش کی۔ غم کی حالت میں یہ کافی مجھے بڑی بڑی مدد دیتی تھی۔ پھر میں نے اپنی نقدی دیکھی۔ تو معلوم ہوا پچاس پونڈ سے کچھ کم ہے۔ یہ تو مجھے انگلستان پہنچانے کو کافی تھی۔ میرے واسطے پہلا مرحلہ تو یہ تھا۔ کہ کوئی کپتان تلاش کروں جو مجھے اپنے جہاز پر لے چلنے کو تیار ہو۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا۔ کہ جہاز تک پہنچ جاؤں۔ بندر کے تمام ملاحوں کو نوٹس دیا گیا تھا۔ کہ اگر [illegible] کو کسی اجنبی جہاز پر لے جاؤ گے تو سزا کے مستوجب ہو گے۔ اپنے بھائی کی نصیحت کے متعلق میں نے یہ تجویز کی۔ کہ ہر روز سمندر میں جا کر کشتی چلایا کروں۔ جو شخص اور خفیہ جاسوس جو شہر سے پیچھے لگے رہتے تھے۔ ملتا تو میں کہتا کہ ڈاکٹر نے ہدایت کی ہے جہاں تک ہو سکے سمندر کی ہوا کھایا کرو اور اس لئے ہر روز میں کشتی پر بیٹھ کر سیر کرتا ہوں۔ کشتی پر ہوا خوری کرنے کا فیصلہ کرنے کے بعد دوسرے دن میں سنگین طلائی کی گھاٹ پر گیا جہاں ایک ملاح کو آواز دی۔ اور اُس سے کہا مجھے سیدھا باسفرس کی طرف لے چلو۔ کچھ دیر بعد ملاح نے پوچھا۔ کہ کدھر جانا ہے میں نے درشت روئی سے کہا سیدھے چلے چلو۔ اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اپنا سگریٹ سلگانے کیلئے ٹھہرا۔ تو میں نے پوچھا۔ تم دن میں کتنا کما لیتے ہو۔ اُسنے جواب دیا سات اور دس پیاسٹر کے درمیان کما لیتا ہوں۔ اگر ایک ترکی ملاح دس پیاسٹر (ایک پیاسٹر اٹھارہ پائی آنہ کے برابر ہوتا ہے) روزانہ کما لے۔ تو وہ اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت سمجھتا ہے۔ میں نے سمندر کی ہوا خوری کے متعلق ڈاکٹر کی ہدایت کا تذکرہ اُس سے کیا۔ اور کہا۔ اگر تم کسی اور شخص کو کشتی میں نہ بٹھاؤ۔ اور اپنے آپ کو میرے لئے مخصوص کر دو۔ تو میں تمکو بیس پیاسٹر روزانہ دیا کروں گا۔ جیسا کہ میرا اقبال تھا وہ جھٹ مان گیا۔ میں ایک ہفتہ تک کشتی پر روزانہ سیر کرتا رہا۔ میں کبھی تو [illegible] کو جاتا اور کبھی [illegible]

بعض اوقات میں تیمیو کے ساتھ شترنج کھیلتا۔ اور بعض اوقات کتاب پڑھتا رہتا۔ کبھی کبھی بندر پر جا کے آگبوٹ اور کشتی کو ٹھیرتا دیکھتا۔ اور جہاز پر اسباب بار کرتے اور اُتارتے دیکھتا۔ [illegible] کے علاوہ میں اس ملاح تمباکو بھی دیا کرتا۔ جس سے وہ بڑا خوش ہو جاتا۔ جو کچھ میں اس سے کہتا وہ دل و جان سے کرتا۔ جہاں جانے کو کہتا وہیں چلا جاتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ شہر میں بھی جاسوس میرے پیچھے آئے تھے یا نہیں۔ تاہم مجھے خیال تھا کہ میری تاک میں یہاں کوئی نہیں آتا۔ اپنی فراری کی تجویز کا پہلا حصّہ مکمل کرنے کے بعد کہ کوئی کشتی والا مجھے اجنبی جہاز تک پہنچا دے۔ اب میں فراری حصّے کی تکمیل کی فکر کرنے لگا۔ یعنی انگلستان کی طرف روانہ ہونے والے جہاز کی تلاش کرنے لگا۔ میں خود اس کی تمیز نہیں کر سکتا تھا پس میں اس انگریز کے پاس گیا۔ جو جہازوں کی آمد و رفت سے واقف تھا۔ اور جس نے مجھے پہلی دفعہ قابل قدر مدد دی تھی۔ اس نیک نہاد شخص نے بتایا کہ بحر اسود کے بندرگاہ باطوم سے ایک جہاز آج ہی آنے والا ہے۔ مگر وہ آج ہی سہ پہر کو روانہ ہو جائیگا۔ میں نے جواب دیا میں چلنے کو تیار ہوں۔ مگر اس نے کہا میں دو شرطوں پر آپ کو بھیج سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ اپنے اسباب کو کشتی پر خود لیجائیں انگریزی جہازوں پر [illegible] نگرانی [illegible] ہے جس میں اسباب لیجانے میں معذوری ہو [illegible] دوسری شرط سخت تھی۔ اُس نے کہا چونکہ اس جہاز کا کپتان کوئی مسافر جہاز پر نہیں لیجا سکتا۔ لہٰذا آپ کو انگریزی قونصل خانے میں جا کر کپتان کی کتاب میں بحیثیت ایک ملاح لکھنا ہوگا۔ ایسا کرنے میں میرا کوئی نقصان تو نہیں تھا۔ کیونکہ مجھے ان کو ملاح کا کام لینا تھوڑا ہی تھا۔ مگر عثمانی رعایا کے ایسے فرد کیلئے جسکا چرچا محل کے عہدہ داروں میں ہو چکا ہو۔ انگریزی قونصل خانہ میں جانا مناسب نہیں۔ کیونکہ قونصل خانہ کی نگرانی پر جاسوس مقرر ہیں۔ اور وہ اسے جاتے دیکھ لیں۔ تاہم میں نے دلیری کر ہی دی۔ اور قونصل خانہ میں جا کر اپنا نام ملاحوں میں لکھ دیا۔ کپتان نے مجھے جہاز کے [illegible] تک جگہ بتا دی۔ اور کہا جہاز تین گھنٹوں کے بعد لنگر اٹھا دیگا۔ میں ان کمروں میں فوراً پہنچ گیا۔ یہاں میرا اسباب پڑا ہوا تھا۔ جس مکان میں میں رہتا تھا۔ وہ جس شخص کا تھا۔ انہوں نے میرے ساتھ بڑی ایمانداری کی میرا اسباب جس قدر تھا ٹرنکوں میں بند کر دیا۔ [illegible] ہم نہیں دینگے۔ شاید ترکی پولیس [illegible] اور سلطان کی دوستی کا اس طرح [illegible]۔ انگریزی قونصل خانہ سے نکل کر [illegible] جہاز تک [illegible] محل کی طرف [illegible] کی غرض یہ تھی کہ اگر کسی جاسوس نے مجھ کو قونصل خانہ میں جاتے دیکھ بھی لیا ہو تو وہ خیال کریگا کہ میں کسی سرکاری کام پر گیا تھا۔ علاوہ محل کی طرف جاتا دیکھ کر وہ پیچھا نہ کریگا۔ اور یہ سمجھ لیگا یہ بھی کوئی جاسوس ہے۔ میں جہاز کو ٹھیک [illegible] پہنچ گیا۔ اور

دوست درباری کے دفتر میں گیا۔ مگر وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ یہ دیکھکر میں بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اگر وہ میرے آنے کی وجہ دریافت کیا کرتا۔ تو میرے پاس کوئی معقول بہانہ نہ تھا۔ بقدر سعی میں نے ایک گاڑی کرایہ کی اور دریا ساحل پر پہنچا۔ میرا ملازم ملاح بیکار بیٹھا ہوا انگڑائیاں لے رہا تھا۔ میں کشتی میں کود پڑا۔ اور اسکو جہاز کیطرف کشتی لیجانے کو کہا۔ اسکو معلوم نہ تھا۔ کہ میں انگلستان جانے پر تیار بیٹھا ہوں۔ جیسا ہم جہاز کے پاس پہونچے میں نے اپنے ملاح کو کہا۔ یہ خاص قسم کا جہاز معلوم ہوتا ہے۔ اور جہاز کے دود کش تو درمیان میں ہیں مگر اسکا پنکھا پیچھے کیطرف ہے۔ ملاح کو معلوم تھا کہ یہ مٹی کا تیل لیجانے والا جہاز ہے۔ اسلئے اُسکا انجن پیچھے کیطرف ہے۔ میں نے جہاز کے دیکھنے کا بہانہ کیا۔ اور سادہ لوح ملاح فوراً اُسکی طرف روانہ ہوا۔ میں نہایت آسانی کے ساتھ جہاز پر جا بیٹھا۔ اب میں گو انگریزی عملداری میں تھا۔ (مطلب یہ کہ جہاز انگریزی رعایا کا تھا۔ سلطان بموجب معاہدہ اُس میں کسی شخص کو گرفتار نہیں کرسکتا) میں کپتان سے ملاقات کرنے کے بعد میں جہاز کی طرف گیا۔ اور ملاح کو باآواز بلند کہا چونکہ میں اہل جہاز کی زبان جانتا ہوں۔ انہوں نے اقرار کیا ہے۔ کہ میں کچھ عرصہ اُن کے درمیان ٹھیروں اور اُن سے کلام کیا کروں۔ اب تمہاری تنخواہ دستیر بیبوں میں پڑے۔ تمہاری ضرورت نہیں۔ جب میں آنا چاہونگا۔ کسی گندری یعنی کشتی میں سوار ہو کر آؤنگا۔ پھر میں نے اُسکی طرف اُسکی بقدر اجرت پھینکی وہ چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد ہمیں روانہ ہونا پڑا۔ ۔ اگر سلطان اپنے وعدوں پر قایم رہتا۔ اور مجھ سے شریفانہ برتاؤ کرتا۔ تو میں یہ چالیں نہ چلتا۔ میں دوسرے وقت ۱۹ نومبر ۱۸۹۶ء کو قسطنطنیہ سے روانہ ہوا۔ اور جہاز راستہ میں کسی جگہ ٹھیرے بغیر اٹھارہ دن کے بعد لیورپول پہنچ گیا۔ چونکہ میں اپنے زاید کپڑے ساتھ نہ لا سکا مجھے راستہ میں سردی اور سمندری ہوا سے سخت تکلیف ہوئی جہاز کے ملاح موٹے اخلاق کے آدمی تھے۔ اور خود کپتان بھی چنداں مہذب نہ تھا۔ وہ مجھے بہت برا کھانا دیتا تھا۔ تاہم میں بخیر و عافیت انگلستان پہنچ گیا۔ اور اُس وقت سے اس ملک کو اپنا وطن بنالیا ہے اور اب جب کسی ممالک دیگر کی سیاحت کو جاتا ہوں۔ تو ظالم عبد الحمید کے زیر نگرانی کسی علاقہ میں داخل نہیں ہوتا ❋

تمام شد

CALL No. ۹۲۳۶۲۵۶۱ / خ ۱۱ ACC. No. ۵۹۰۸۲

AUTHOR خالد خلیل

TITLE ایک ترک کا روزنامچہ [۱۹۰۶ع]

URDU STACKS

MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES :-

1. The book must be returned on the date stamped above.

2. A fine of Re. 1/- per volume per day shall be charged for text-books and 10 P. per vol. per day for general books kept over-due.